بسم اللہ الرحمٰن الرحیم



ماہنامہ

مِلّیہ

فیصل آباد پاکستان

ذوالحج ۱۴۳۴ھ

بمطابق اکتوبر 2013ء

www.milliafsd.com

عبدُ اللہ بنُ المبارک

کل عام و انتم بخیر

عید الاضحیٰ المبارک



کلمة الحبیب

جامعہ ملّیہ اسلامیہ خانقاہ حضرت رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ میں

اتحادِ اُمت کانفرنس و مدارسِ دینیہ کی اہمیت

ابنِ انیس حبیب الرحمٰن لدھیانوی

تحریک ختم نبوت تاریخ کے آئینے میں

ابنِ انیس حبیب الرحمٰن لدھیانوی



بحضورِ سیّدالمُرسلین صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم

قطب الاقطاب حضرت سیّد نفیس الحسینی شاہ صاحب قدس سرّہٗ

مَیں ہر آستاں چھوڑ کر آ گیا ہُوں
مُواجہہ پہ با چشمِ تر آ گیا ہُوں

رسالت پناہا ! نبُوّت کُلاہا !
اِک اُمّیدوارِ نظر آ گیا ہُوں

زمانے نے روکا، مصائب نے ٹوکا
زیارت کی خاطر مگر آ گیا ہُوں

مَحبّت کی شِدّت مجھے کھینچ لائی
عِقیدت کے پیشِ نظر آ گیا ہُوں

اِلیٰ اَصْلِہٖ یَرْجِعُ کُلُّ شَیْءٍ
مَیں بھولا ہُوا اپنے گھر آ گیا ہُوں

مِری راہ میں گرچہ حائل تھے دریا
خُدا کی قسم بے خطر آ گیا ہُوں

مَحبّت کے سِکّے، عقیدت کی نقدی
یہی لے کے زادِ سفر آ گیا ہُوں

مِرے پاس تک آ سکے گی نہ دُنیا
قریب آپؐ کے اِس قدر آ گیا ہُوں

مِری زِندگی ہو رہی ہے نچھاور
جو روضے پہ میں لمحہ بھر آ گیا ہُوں

مجھے لوگ کہتے ہیں مقبولِ احمد
اِس ارماں اِس اُمّید پر آ گیا ہُوں

ہ سیّد نفیس الحسینی کے خاندان کے بزرگ عارفِ ربّانی صوفی سیّد شاہ مقبول احمد (م ۱۹۷۸ء) نے ۱۹۶۳ء میں حضورِ اقدس صلّی اللہ علیہ وسلّم کے روضۂ اطہر پر پہلی حاضری کے وقت یہ نعت پیش کی۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ماہنامہ ملّیہ فیصل آباد پاکستان

ہر اسلامی مہینے کے شروع میں شائع ہوتا ہے۔

ذوالحج ۱۴۳۴ھ جلد نمبر 9
بمطابق
اکتوبر 2013ء شمارہ نمبر 12

بیاد
حضرت مولانا انیس الرحمٰن لدھیانویؒ
خلیفہ مجاز حضرت شاہ عبدالقادر رائپوریؒ

بفیض
حضرت سید نفیس الحسینی
رحمۃ اللہ علیہ

مدیر اعلیٰ و سرپرست
ابن انیس مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی

مدیر
حماد الرحمٰن لدھیانوی

نائب مدیر
جواد الرحمٰن لدھیانوی

فہرست مضامین

فی شمارہ 25 روپے — پاکستان میں سالانہ 300 روپے
سالانہ بدل اشتراک بیرون ملک 45 امریکی ڈالر

رابطہ کے لیے
ماہنامہ ملّیہ — جامعہ ملّیہ اسلامیہ
محلہ خالصہ کالج P.O مدینہ ٹاؤن، فیصل اباد
041-8711569
0321-6611910

ناشر...... حبیب الرحمٰن لدھیانوی — مطبع: ظفر اینڈ فضل پرنٹنگ پریس فیصل آباد — Decl No. 3483-85

کلمة الحبیب

جامعہ ملیہ اسلامیہ خانقاہ حضرت رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ میں

مدارس دینیہ کی اہمیت و اتحادِ امت کانفرنس

بقلم حبیب الرحمٰن لدھیانوی

گزشتہ ماہ ۱۸/ذیقعدہ ۱۴۳۴ھ مطابق ۲۵/ستمبر ۲۰۱۳ھ بروز بدھ بعد از نماز مغرب جامعہ ملیہ اسلامیہ فیصل آباد میں وفاق المدارس پاکستان کے زیر اہتمام ایک عظم الشان ''مدارس دینیہ کی اہمیت اور اتحادِ امت'' کے عنوان سے ایک عظیم الشان کانفرنس منعقد ہوئی۔ جس میں وفاق المدارس پاکستان کی مرکزی اور صوبائی قیادت نے شرکت کی۔ فیصل آباد میں وفاق المدارس کے زیر اہتمام اس قسم کی کانفرنس کا یہ پہلا موقع تھا۔ اس میں وفاق المدارس کے ناظم اعلیٰ حضرت مولانا قاری محمد حنیف جالندھری صاحب مدظلہ اور وفاق المدارس صوبہ پنجاب کے ناظم اعلیٰ حضرت مولانا قاضی عبدالرشید صاحب مدظلہ نے خصوصی شرکت فرمائی۔ اور وفاق المدارس فیصل آباد کی مقامی قیادت ''جو کہ حضرت مولانا قاری محمد یٰسین صاحب مدظلہ، حضرت مولانا مفتی محمد طیب صاحب مدظلہ، حضرت مولانا محمد یوسف اوّل صاحب مدظلہ اور حضرت مولانا سید نذیر احمد شاہ صاحب مدظلہ پر مشتمل ہے'' نے بھرپور طریقہ سے اس کانفرنس کو کامیاب بنانے میں سعی فرمائی۔

اس کانفرنس میں مذکورہ تمام شخصیات کے علاوہ مقامی نوجوان علماء نے بھی خطاب فرمایا۔ راقم نے بھی اس کانفرنس میں کچھ معروضات پیش کیں تھیں، اس پر علماء کا اصرار ہے کہ ان کو شائع کیا جائے۔ فی الوقت ان معروضات کو مختصر طور پر یہاں شائع کیا جا رہا ہے۔ باقی تمام حضرات کے خطابات کو ہم اپنے شمارے میں وقتاً فوقتاً عوام الناس کے فائدے کے لئے شائع کرتے رہیں گے۔

حمد وصلوٰۃ کے بعد راقم نے کہا!

جامعہ ملیہ اسلامیہ فیصل آباد پاکستان میں منعقدہ وفاق المدارس پاکستان کے زیر اہتمام ''مدارس دینیہ کی اہمیت اور اتحاد امت کانفرنس'' کا مقصد کسی کے خلاف کوئی تحریک چلانا نہیں، اور نہ ہی نقص امن پیدا کرنا ہے۔ بلکہ اس کانفرنس کا مقصد ہمارے ملک کے ان مقتدر اداروں کے ذمہ داروں

کے کانوں میں یہ بات پہنچانا ہے کہ مدارس دینیہ اس وقت دنیا میں اس لئے اہمیت اختیار کر گئے ہیں کہ ان کی وجہ سے پوری امت میں اتحاد کی لہر دوڑی ہوئی ہے۔ مگر چونکہ کچھ عالمی منظر میں کرائے کے لوگ غیر مسلموں کا ایجنڈے کی تکمیل میں لگے ہوئے ہیں، اس لئے عوام الناس کی توجہ مبذول کرانے کے لئے اس قسم کی کانفرنس منعقد کی گئی ہے۔

عام طور پر یہ سمجھا جا رہا ہے کہ علماء نے جو دینی مدارس قائم کیے ہیں ان کا مقصد شاید اقتدار پر قبضہ کرنا ہے۔ ایسا ہرگز نہیں، اس لئے کہ یہ دینی مدارس صرف اور صرف دنیا میں مسلمانوں کی رہنمائی کے لئے ہیں تاکہ دنیا بھر میں عام مسلمان کو دینی مسائل کی سمجھ بوجھ حاصل ہو، اور اللہ اور اسکے رسول کے فرمان کے مطابق زندگی بسر کر سکیں۔ مدارس کا مقصد نہ تو حکام پیدا کرنا ہے اور نہ حکومتوں کے ملازم پیدا کرنا۔

ایک دفعہ دارالعلوم دیوبند کے مہتمم حضرت مولانا محمد احمد صاحب جو کہ حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیبؒ کے والد گرامی تھے، ریاست حیدر آباد، دکن میں وہاں کے مخیرّ حضرات سے مدرسہ کی مالی امداد کے سلسلہ میں تشریف لے گئے۔ جہاں پر حضرت مہتمم صاحب قیام فرما تھے وہاں حیدر آباد دکن کے نظام تشریف لائے، اور حضرت مہتمم صاحب سے عرض کی کہ آپ دارالعلوم کے لئے چندہ وغیر کرنا چھوڑ دیں، حیدر آباد کی ریاست آپ کے دارالعلوم کا سالانہ خرچ خود برداشت کرے گی۔ اور آپ ہماری ریاست سے یہ تعاون فرمائیں کہ دارالعلوم سے جتنے بھی علماء فارغ ہوں وہ ہماری ریاست میں بھیج دیا کریں، ہم ان کو اپنی ریاست میں ملازمت دیدیا کریں گے۔ اس سے پہلے بھی دارالعلوم سے فارغ شدہ علماء ہماری ریاست میں بہترین انتظام چلا رہے ہیں۔ حضرت مہتمم صاحب نے فرمایا کہ میں اپنے بزرگوں سے مشورہ کر کے جواب دوں گا۔ حضرت مولانا محمد احمد صاحب مہتمم دارالعلوم جب واپس دیوبند پہنچے تو انہوں نے دارالعلوم کے سرپرست قطب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ سے اس بات کا تذکرہ کیا، اور کہا کہ حضرت لوگوں سے چندہ مانگنے سے ہماری جان چھوٹ جائے گی، نیز یہ کہ یہاں کے پڑھے ہوئے علماء کو باعزت ملازمت بھی مل جایا کرے گی۔ تو اس پر حضرت گنگوہیؒ نے جواب میں فرمایا، مولوی محمد احمد! ہم نے یہ مدرسہ حیدر آباد دکن کی ریاست چلانے کے لئے نہیں بنایا، ہم نے تو یہ مدرسہ اس لئے بنایا ہے کہ دنیا میں اللہ کی مسجدیں آباد ہوں۔ دنیا میں جہاں بھی

مسجد بنے گی وہاں پر کسی عالم کی ضرورت پڑے گی۔امام کی ضرورت پڑے گی۔ہم مدارس سے امام اور عالم پیدا کرنا چاہتے ہیں ملازم نہیں۔دوسری بات جہاں تک نظام حیدر آباد نے سالانہ اخراجات کی کفالت کی پیشکش کی ہے تو اس کے متعلق یہ ہے کہ ہمارے دارالعلوم کے بانیوں کا فیصلہ ہے کہ اس کو چلانے کے لئے کسی بھی ریاست سے مالی امداد نہیں لیں گے،اس لئے کہ جب تک ریاست رہے گی مدرسہ رہے گا اور جب ریاست ختم ہو جائے گی تو مدرسہ امداد نہ ملنے کی وجہ سے بند ہو جائے گا۔یہ مدرسہ ہم اللہ کے بندوں کے تعاون سے چلائیں گے،اللہ کے بندے قیامت تک رہیں گے اور یہ مدرسہ بھی قیامت تک رہے گا۔

چنانچہ ان بزرگوں کی دوراندیشی دیکھی جائے تو قابل داد ہے کہ حیدر آباد دکن کی ریاست ختم ہوگئی مگر دارالعلوم دیوبند اور اس سے ملحق مدارس آج بھی قائم ہیں۔

آجکل ہمارے ملک میں ڈاکٹر،سر محمد اقبال کے نظریات وافکار کو پیش کر کے عوام الناس کو علماء کے خلاف اُکسایا جارہا ہے۔اور بتایا جارہا ہے کہ اسلام کی وہ تشریح جو علامہ اقبال نے کی وہی ہمارے ملک کے لئے مشعلِ راہ ہے،اور مولوی ایک فسادی طبقہ ہے جو کہ اسلام کی صحیح معنوں میں تشریح نہیں کررہا۔اس کے ساتھ ساتھ علامہ اقبال کے وہ شعر پڑھ کر سنائے جارہے ہیں جو کہ انہوں نے علماء سے دوری کے وقت کہے تھے۔

ڈاکٹر،سر،علامہ محمد اقبال مرحوم کو ہمارے پاکستان کے لئے حجت سمجھا جاتا ہے،ہم ان ہی کی مثال دینا مناسب سمجھتے ہیں کہ وہ دینی تعلیم کو کس قدر اہمیت دیتے تھے۔علامہ اقبال مرحوم کو انہی علماء کی جوتیوں میں بیٹھ کر اپنے عقیدے کی اصلاح کا موقع ملا۔انہیں معلوم تھا کہ دین کی سمجھ کیمرج کی یونیورسٹی یا جرمنی کی یونیورسٹیوں سے فلسفہ کی ڈگری حاصل کرنے سے نہیں ملتی بلکہ قال اللہ اور قال الرسول کہنے والے اور پڑھانے والوں کی جوتیوں میں بیٹھنے سے ملتی ہے۔علامہ اقبال مرحوم جو کہ ساری زندگی اپنے آپ کو ایک عاشق رسول کی حثیت سے دنیا کے سامنے متعارف کراتے رہے۔وہ ختم نبوت کے عقیدے کو نہ سمجھ سکے۔اسی لئے ان کا والد نور محمد اور ان کا بڑا بھائی عطاء محمد مرزا قادیانی کے ہاتھ پر بیعت ہو گئے تھے۔بلکہ قادیانیوں کا دعویٰ یہاں تک ہے کہ علامہ اقبال بذات خود بھی مرزا قادیانی کے

ہاتھ پر بیعت ہو گئے تھے۔

جیسا کہ تحقیقاتی عدالت ۱۹۵۳ء میں قادیانیوں کی طرف سے خواجہ نذیر احمد اور غلام محی الدین قصوری نے اس بات کی تصدیق کی تھی کہ ڈاکٹر صاحب موصوف (علامہ اقبال) نے اپنے والد کے ہمراہ بانیٔ سلسلہ احمدیہ مرزا غلام احمد قادیانی کے ہاتھ پر بیعت کی تھی۔

مگر علامہ اقبال میں دین کی کچھ تڑپ موجود تھی، انہی ڈاکٹر اقبال نے کہا تھا

وہ دانائے سُبُل ختم الرُّسل مولائے کل جس نے
غبارِ راہ کو بخشا فروغِ وادیٔ سینا
نگاہِ عشق و مستی میں وہی اوّل وہی آخر
وہی قرآں وہی فرقاں وہی یٰسیں وہی طٰہٰ

اسی لئے وہ علامہ انور شاہ صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اس ملاقات کا انتظام میرے دادا رئیس الاحرار حضرت مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانویؒ نے کیا تھا۔ اس ملاقات میں ڈاکٹر اقبال مرحوم نے علامہ انور شاہ صاحب کشمیریؒ سے سوال کیا تھا کہ! ختم نبوت کے عقیدے کے سلسلہ میں میرے راہنمائی فرمائیں۔ تو علامہ انور شاہ صاحبؒ نے فرمایا! ڈاکٹر صاحب آپ مسلم نوجوان کے دل کی دھڑکن ہیں، آپ کی بات کو مسلم نوجوان حجت مانتے ہیں، اس لئے آپ کے عقیدے کا صحیح ہونا ضروری ہے۔ فرمایا! ڈاکٹر صاحب ختم نبوت کے عقیدے کی اہمیت اسلام میں اس طرح ہے کہ اگر اس عقیدے کو اسلام سے نکال دیا جائے تو رسول اللہ کی مرکزیت ہی ختم ہو جاتی ہے۔

وہ ڈاکٹر اقبال مرحوم جس نے کہا تھا

کی محمد سے وفا تونے تو ہم تیرے ہیں
یہ جہاں چیز ہے کیا لوح و قلم تیرے ہیں

بس اتنا سننا تھا تو اس کی سمجھ میں بات آ گئی، چنانچہ وہیں پر ڈاکٹر اقبال نے فارسی میں شعر کہا

محلِ نورِ تجلیست روئے انور شاہ
چہ قرب اُو طلبی در صفائے نیت کوش

یعنی اللہ کے نور کی تجلی کا محل ہے انور شاہ کا چہرہ، اگر کچھ حاصل کرنا چاہتا ہے تو اپنی نیت کو صاف کر کے ان کے پاس بیٹھ جا، سمجھ میں آ جائے گا۔ اسی لئے اس کے بعد ڈاکٹر اقبال مرحوم نے کہا تھا!

نہ پوچھ ان خرقہ پوشوں سے عقیدت ہے تو دیکھ ان کو
یدِ بیضا لئے پھر تے ہیں اپنے آستینوں میں

اس کے بعد علامہ اقبال نے اپنے والد نور محمد پر محنت کی اور ان کو دوبارہ مسلمان بنایا۔ ایک روایت یہ بھی ہے کہ علامہ اقبال نے اپنے والد کا نکاح اپنی والدہ سے خود دوبارہ پڑھایا، کیونکہ تمام اہل اسلام اور علامہ اقبال کے نزدیک جو شخص مرزا قادیانی کی نبوت کو مانتا ہے وہ دائرہ اسلام سے خارج ہے۔ البتہ ڈاکٹر اقبال کا بڑا بھائی عطا محمد قادیانیت سے تائب نہی ہوا، اس کی اولاد شیخ ریاض وغیرہ آج بھی قادیانی ہے۔

پھر ۱۹۳۳ء میں علامہ اقبال نے انہی علامہ انور شاہ صاحبؒ کے انتقال پر اسلامیہ کالج لاہور میں ایک تعزیتی جلسہ منعقد کیا۔ اس جلسہ میں میرے نانا رأس الاتقیاء حضرت مولانا محمد انوریؒ بھی موجود تھے، ان کا بیان ہے کہ اس جلسہ میں علامہ اقبال مرحوم نے حضرت علامہ انور شاہ کشمیریؒ کے وصال پر یہ شعر پڑھا تھا۔

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

ڈاکٹر اقبال شروع شروع میں ملاں کے سخت مخالف تھے، وہ ایک عرصہ تک اپنے طور پر مسائل کے لئے مرزا قادیانی کے جانشین حکیم نوالدین سے فتوے منگواتے تھے۔ چنانچہ اقبال مرحوم نے کئی مواقع پر ملاں پر اپنے شعروں میں بھبتی بھی کسی۔ جو کہ آجکل اقبال فروش دلیل کے طور پر پیش کرتے ہیں۔ یہ اس وقت کی بات ہے جب اقبال نے ملاں کی دینی صلاحیت کو نہیں پرکھا تھا۔ مگر جب

وہ علماء اسلام کے قریب آیا اور اس نے جب علمائے اسلام کی دینی فقاہت کو دیکھا جو کہ دینی مدارس ہی کا فیض تھا تو اُسے پچھتاوے کے علاوہ کچھ نہیں ملا۔ چنانچہ ڈاکٹر اقبال نے اپنے پچھتاوے کا اظہار اپنی بہن کریم بی بی کے نام اپنے خط میں اس انداز سے کیا ہے۔

میرا عقیدہ بھی یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو نئی زندگی عطا فرمائے گا، اور جس قوم نے آج تک اس کے دین کی حفاظت کی ہے اس کو ذلیل ورسوا نہیں کرے گا۔ مسلمانوں کی بہترین تلوار دعا ہے، سواُسی سے کام لینا چاہیے۔ ہر وقت دعا کرنا چاہیے اور نبی کریم پر درود بھیجنا چاہیے۔ کیا عجب کہ اللہ تعالیٰ اس امت کی دعا سُن لے اور اس کی غریبی پر رحم فرمائے۔

میں جو اپنی گزشتہ زندگی پر نظر ڈالتا ہوں تو مجھے بہت افسوس ہوتا ہے کہ میں نے اپنی عمر یورپ کا فلسفہ وغیرہ پڑھنے میں گنوائی۔ خدا تعالیٰ نے مجھ کو قوائے دماغ بہت اچھے عطا فرمائے تھے، اگر یہ قوائے دینی علوم پڑھنے میں صرف ہوتے تو آج خدا کے رسول کی کوئی خدمت کرسکتا، اور جب مجھے یاد آتا ہے کہ والد مکرم مجھے دینی علوم ہی پڑھانا چاہتے تھے تو مجھے اور بھی قلق ہوتا ہے کہ باوجود اس کے کہ صحیح راہ معلوم بھی تھی تو بھی وقت کے حالات نے اس راہ پر چلنے نہ دیا۔ (زندہ رُود، صفحہ ۲۶۵)

یہی وجہ ہے کہ جب علامہ اقبال اور علما نے آپس میں ایک دوسرے کو سمجھ لیا تو ۱۹۲۶ء میں علماء نے علامہ اقبال کو الیکشن میں کامیاب کرانے کے لئے مہم چلائی، جس میں اس وقت بادشاہی مسجد لاہور کے خطیب مولانا غلام مرشد مرحوم، مولانا محمد مسلم مرحوم، امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ، اس وقت مجلس خلافت پنجاب کے صدر، رئیس الاحرار حضرت مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانویؒ، مولانا ظفر علی خان مرحوم اور مولانا مظہر علی اظہر شامل تھے۔

مدارس دینیہ سے فارغ التحصیل علماء کرام نے نہ صرف دینی علوم کو آگے تک پہنچایا بلکہ امت میں اتحاد پیدا کر کے ہر اس فتنے کا تعاقب کیا جو کہ اسلام میں نئی گرہ لگانا چاہتا تھا۔ ۱۹۲۹ء میں علماء ہی

کے مشورہ سے مجلس احرار اسلام قائم کی گئی، جس میں تمام مکاتب فکر کو جمع کیا گیا تھا، اور اسی کے سٹیج سے متفقہ طور پر قادیانیوں کے خلاف منظم تحریک چلائی گئی۔ ۱۹۳۶ء میں جب مسلم لیگ اور مجلس احرار اسلام نے مشترکہ طور پر الیکشن لڑنے کے لئے ''مسلم پارلیمنٹری بورڈ'' بنایا، اور اس کے صدر ڈاکٹر علامہ اقبال تھے۔ تو اس میں رئیس الاحرار حضرت مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانویؒ نے تجویز پیش کی کہ ''جو بھی مسلم پارلیمنٹری بورڈ'' کی طرف سے الیکشن میں حصہ لے وہ اس بات کا وعدہ کرے کہ وہ کامیاب ہو کر اسمبلی میں جا کر قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دینے کی کوشش کرے گا۔ رئیس الاحرارؒ کی اس تجویز پر علامہ اقبال نے مہر تصدیق ثبت کی۔ یہی وجہ ہے اس کے بعد علامہ اقبال نے حکومت ہند سے مطالبہ کیا تھا کہ قادیانی اسلام اور ملک دونوں کے غدار ہیں، اور انہیں مسلمانوں نے علیحدہ طبقہ تسلیم کیا جائے۔

اسی طرح قیام پاکستان کے بعد امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کی قیادت میں پورے پاکستان کے علماء کرام کے ہر فرقہ نے منظم ہو کر تحریک چلائی، جس میں ہزاروں ختم نبوت کے پروانے شہید کر دیئے گئے۔ لیکن یہ تحریک آئندہ کے لئے پاکستانی قوم میں اتحاد کی ایک لڑی پرو گئی۔ چنانچہ پھر ۱۹۷۴ء میں تمام پاکستان قوم نے بحیثیت امت اتحاد کا مظاہرہ کیا۔

اسمبلی میں ہر قسم کے فرقہ کے سیاسی اور مذہبی لوگ موجود تھے۔ اس وقت کے وزیر اعظم ذوالفقار علی بھٹو مرحوم تھے جو کہ سوشل ازم کا نعرہ لے کا برسر اقتدار آئے تھے۔ اور اس وقت حزب اختلاف کے قائد خان عبدالولی خان تھے، جو کہ سیکولر نظریات کے داعی تھے۔ مگر ان دونوں طبقوں نے جب علماء کو سنا اور قادیانیوں کے گروہ کے سردار مرزا ناصر کو سنا تو اس بات پر اتفاق کیا کہ قادیانی واقعی دائرہ اسلام سے خارج ہیں۔

اور پھر پوری اسمبلی ''جس میں مسلمانوں کے ساتھ غیر مسلم عیسائی، ہندو، پارسی، اور سکھ بھی موجود تھے'' سب نے مل کر قادیانیوں کو دائرہ اسلام سے خارج قرار دیدیا۔ اس اتحاد کے پیچھے دینی مدارس کا ہی فیض کارفرما تھا۔ آج بھی اگر ملک وملت کو اتحاد کی ضرورت ہے تو اس کام میں دینی مدارس ہی بہتر خدمات سرانجام دے سکتے ہیں۔

مولانا فتح الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ

والد ماجد شیخ المشائخ حضرت مولانا محمد انوری رحمۃ اللہ علیہ

از شیخ المشائخ حضرت مولانا محمد انوری رحمۃ اللہ علیہ

میرے نانا حضرت مولانا محمد انوری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے والد ماجد مولانا فتح الدین صاحب کے انتقال پر ایک مضمون ازہر شاہ قیصرؒ مدیر رسالہ دارالعلوم دیوبند کو بذریعہ خط لکھا تھا جسے انہوں نے من وعن ماہنامہ دارالعلوم دیوبند میں شائع کردیا مرسلہ مولانا خلیل الرحمٰن انوری، افادۂ عام کے لئے شایع کیا جارہا ہے ازابن انیس حبیب الرحمٰن لدھیانوی

مولانا محمد صاحب انوری لائل پوری پنجاب کے ایک مشہور عالم ہیں جنہیں علامۃ العصر حضرت مولانا محمد انورشاہ صاحب کشمیری علیہ الرحمۃ سے خصوصی نسبت حاصل ہے۔مولانا موصوف نے اپنے ایک گرامی نامہ میں مدیر رسالہ دارالعلوم کو اپنے والد ماجد مولانا فتح الدین صاحب مرحوم کے انتقال کی اطلاع دی ہے۔مولانا مرحوم چونکہ جماعت دارالعلوم کے برگزیدہ حضرات سے قریبی اور خصوصی تعلق رکھتے تھے اور دارلعلوم کے خیر خواہ اور مخلص خادم تھے اس لیے ہم نے مناسب سمجھا کہ مولانا محمد صاحب انوری کے محولہ بالا خط کا ضروری حصہ رسالہ میں درج کردیں۔ازہر شاہ قیصر

ازمولانا محمد انوریؒ

احقر کے والد ماجد حضرت مولانا فتح الدین صاحبؒ ۲۴رستمبر ۱۹۵۱ء مطابق ۲۲رذی الحجہ ۱۳۸۰ھ پیر کے روز ٹنڈہ اللہ یار سندھ ضلع حیدر آباد میں دارالبقاء کو ۹۵ سال کی عمر میں رحلت فرماگئے۔اناللہ وانا الیہ راجعون۔

مرحوم احقر کے پاس قیام پذیر تھے۔عید الضحیٰ سے کچھ دن پہلے مکان تشریف لے گئے وہاں سے دو چار یوم کے لیے اپنی چھوٹی صاحبزادی سے ملنے ٹنڈہ اللہ یار پہنچ کر ایک ہفتہ کے بعد بخار و درد بطن میں مبتلا ہوکر تین یوم کے بعد انتقال فرمایا۔احقر کو ملنے کے لیے تار کا بار بار فرماتے رہے لیکن ان

لوگوں کی غفلت اور بے پروائی کے باعث احقر حیات میں زیارت نہ کر سکا۔ انتقال کا تار ملا دفن ہونے کے بعد قبر کی زیارت نصیب ہوئی۔ بار بار پوچھتے رہے کہ تار دیدیا؟ احقر کی ملاقات کے بے حد متمنی تھے۔ مدت العمر وصیت فرماتے رہے کہ میری نماز تو پڑھایئے اور دعاء اللّٰھم اغفرله وعافه واعف عنه الخ پڑھنا لیکن قسمت میں قبر ہی کی زیارت تھی۔ مرحوم حضرت مولانا گنگوہی قدس سرہٗ العزیز کے خدام میں سے تھے۔ ۱۳۰۳ھ میں گنگوہ حاضر ہو کر بیعت کی، سلسلہ مراسلت جاری رہتا تھا۔ اس کے بعد حضرت شیخ الہند مولانا الشیخ محمود الحسن دیوبندی قدس سرہٗ العزیز کی طرف رجوع فرمایا۔ مدرسہ دیوبند کے جلسہ دستار بندی پر حضرت شیخ الہندؒ کی خصوصی دعوت پر جلسہ میں شرکت فرمائی۔ حضرت موصوف کے خصوصی دانہ راز تھے، اکثر خطوط دیوبند سے آتے رہتے تھے۔ حضرت مولانا محمد صاحب فاروقی کو ٹویؒ سے بہت استفادہ علوم فرمایا تھا، ابتدائی کتب حضرت مولانا بدرالدین صاحب سے پڑھی تھیں۔ حضرت مولانا خلیل احمد صاحب قدس اللہ سرہٗ العزیز سے بھی مخلصانہ تعلق تھا۔ حضرت حافظ محمد صالح صاحب رائے پوری رحمہم اللہ تعالیٰ کے خاص دوست تھے۔ حضرت ہی کے ہمراہ گنگوہ حاضری ہوئی، نہایت بلند پایہ فقیہ تھے۔

مذاہب ائمہ اربعہ پر ناقدانہ وسیع نظر رکھتے تھے۔ بڑی بڑی ضخیم کتب فقہ، فتاویٰ شامی عالمگیری، بحرالرائق وغیرہ کا متعدد بار مطالعہ فرمایا۔ مبسوط کتب تفسیر مثل تفسیر کبیر وغیرہ از بر تھیں، مسائل علم کلام جزئیات فقہیہ مع ان کے ادلہ محفوظ تھے۔ دارالعلوم دیوبند و مظاہر العلوم سہارنپور کے ساتھ والہانہ عقیدت تھی۔ ان مدارس کی مدت العمر مالی خدمت فرماتے رہے۔ امام ہمام حضرت شاہ صاحب قدس سرہٗ کے علوم وتقویٰ وطہارت وکمال حفظ کا تعارف احقر کو حضرت والد مرحوم کی زبان مبارک سے ہوا، احقر کی دارالعلوم میں حاضری کا باعث حضرت ہی کی ذات تھی۔ تمام عمر احیاء سنت اور اماتت شرک وبدعت میں گزار دی۔ اس علاقہ میں آپ کا وجود متنعمات میں سے تھا، یہی دعا فرمایا کرتے کہ میری اولاد دین محمدی کی خادم رہے اور ترویج دین کرتی رہے، آخر میں تمام اوقات ذکرِ الٰہی میں گذرتے تھے اور احقر کے پاس قیام فرما لیا تھا، کبھی اپنے آپ کو مولوی نہیں فرمایا یوں ہی فرمایا کرتے کہ میں علماء حقانی کا خادم ہوں مولوی نہیں ہوں۔ احقر کو ان کے سامنے مسئلہ بیان کرتے ہوئے ڈر لگتا تھا۔ مالک الملک آپ کو غریق رحمت فرمائے اور اولاد کو نیک اعمال کی توفیق عطا فرمائے آمین یارب العالمین۔

قربانی

ذوالحجہ کا اہم عمل اضحیہ یعنی قربانی کی عبادت ہے جس کی وجہ سے اس عید کو عیدالاضحیٰ یعنی قربانیوں کی عید کہا جاتا ہے۔ یہ ایک عظیم الشان عبادت اور شعائر اسلام میں سے ہے جو حضرت آدم علیہ السلام سے لیکر آج تک جاری ہے۔ لیکن شعائر اسلامی میں قربانی سے مراد سنتِ ابراہیمی کی وہ یاد گار ہے جس کا ذکر سورۂ الصّٰفّٰت میں ہے چنانچہ جب صحابہ کرام نے عرض کیا کہ یہ قربانیاں کیا ہیں تو رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمہارے باپ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی سنت ہے۔ تو یہ ابراہیمی یادگار کی حیثیت سے شعائر اسلام میں سے ہے۔

یہ دراصل حضرت ابراہیم علیہ السلام خلیل اللہ کی اس عظیم الشان اور بے مثال قربانی کی یادگار ہے جو انہوں نے اپنے رب کی رضا و خوشنودی کیلئے انہی کی طرف سے ملنے والے اشارے کی بناء پر تقریباً چھیاسی برس کی عمر میں پیدا ہونے والے اپنے پہلے ہونہار اور نہایت فرمانبردار بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام کی قربانی سے قائم فرمائی تھی اسی کی یاد تازہ کرائی جاتی ہے تاکہ امت محمدیہ کے ہر فرد سے ابراہیمی خوشبو آئے اور ہر مسلمان کا نور ایمان ابراہیمی نور سے مشابہ ہو جائے۔

اور آج نمازِ عید کے بعد اللہ کے نزدیک سب سے افضل اور بہتر عمل قربانی ہے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اولادِ آدم نے عید کے دن کوئی عمل ایسا نہیں کیا جو اللہ کے نزدیک خون بہانے (قربانی) سے زیادہ پسندیدہ ہو (ترمذی ج۱ ص ۲۷۶)

اور صحیح مسلم میں حضرت ام مسلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تم میں سے جس شخص نے قربانی کرنی ہو تو اسے چاہیے کہ چاند نظر آ جانے کے بعد قربانی کرنے تک نہ اپنے بال کاٹے نہ ناخن تراشے۔

اس حدیث سے بظاہر معلوم ہورہا ہے کہ یہ حکم صرف اسی شخص کیلئے ہے جس نے قربانی کرنی ہواس کی بیوی، بچے جنھوں نے یہ قربانی نہیں کرنا ہوتی ان کیلئے یہ پابندی نہیں ہے اور بات بھی مستحب کے درجے میں ہے۔اور قربانی کی اہمیت وفضیلت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ قربانی کے جانور کے ہرایک بال کے بدلے میں ایک نیکی لکھی جاتی ہے۔

ہر سال قربانی کے جانور کے ہر عضو یہاں تک کہ اس کی کھال اس کے کُھر اور سینگ سب میزان عمل میں ہونگے اور یہ سب ثوابِ عظیم ملنے کا ذریعہ ہوں گے۔ نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قربانی کا خون زمین پر گرنے سے پہلے اللہ کے نزدیک درجۂ قبولیت پالیتا ہے لہذا تم لوگ خوش دلی کے ساتھ قربانی کیا کرو۔(ترمذی)

اس سے معلوم ہوا کہ جو چیز ہمیں بے کار معلوم ہوتی ہے وہ بھی اللہ تعالیٰ کو مقبول ہے۔قربانی ایک عظم الشان اور اہم عبادت ہے۔زمانہ جاہلیت میں بھی اس کو عبادت سمجھا جاتا تھا مگر بتوں کے نام پر قربانی کرتے تھے۔سورۃ کوثر میں اللہ نے اپنے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا جس طرح نماز اللہ کے سوا کسی کیلئے نہیں ہوسکتی اسی طرح قربانی بھی اس کیلئے کیجئے

اور ایک دوسری آیت میں اس مفہوم کو دوسرے عنوان سے بیان فرمایا گیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرمادیجیے کہ میری نماز، میرا مرنا سب اللہ رب العلمین کیلئے ہے۔رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت کے بعد مدینہ منورہ میں دس سال قیام فرمایا ہے اور ہر سال برابر قربانی کرتے رہے(ترمذی)اور حجۃ الوداع کے موقعہ پر سو اونٹ قربان کیے۔

تریسٹھ(۶۳) اپنے مبارک ہاتھ سے کیے(صحیح مسلم) اور اس شان کے ساتھ کیے کہ ایک کے بعد دوسرا اونٹ مؤدب انداز سے سر جھکائے حاضر ہوجاتا۔

همه آهوانِ صحراسرِ خود نهاده برکف
بامید روز آنکه بسکار خواهی آمد

جس سے معلوم ہوا کہ قربانی صرف مکہ معظّمہ کیلئے مخصوص نہیں بلکہ ہر شخص پر ہر شہر میں شرائط

پائے جانے کے بعد لازم ہے۔اور نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم مسلمانوں کواس کی تاکید بھی فرماتے رہے اس لیے جمہور اسلام کے نزدیک قربانی واجب ہے۔

یاد رہے کہ ہر عبادت کے کچھ مخصوص اثرات ہوتے ہیں اور عظیم الشان عبادت قربانی کے بھی بعض خاص اثرات ہیں۔ چنانچہ قربانی کرنے سے ایمان واخلاص میں قوت پیدا ہوتی ہے، قرب الٰہی وحصول تقویٰ کا بہترین ذریعہ ہے۔شوق شہادت اور جذبۂ جہاد کا بڑا محرک ہے۔اعمالِ شاقہ کیلئے عزم وہمت پیدا ہوتی ہے، ہر اہم اور بلند مقصد کی خاطر بڑی سی بڑی قربانی کرنے کا داعیہ پیدا ہوتا ہے اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ قربانی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمانِ عالی اور اسوۂ حسنہ ہے۔صحابہ کرام علیھم الرضوان اور اہل بیت عظام کی ساری زندگی کا مبارک طریقہ ہے۔ چودہ سو سال کے تمام مسلمانوں کا متواتر عمل ہے۔غرضیکہ قربانی تمام کامیابیوں وکامرانیوں کا زینہ ہے۔

اخلاص نیت:

آخر میں یہ بنیادی بات بھی یاد رکھنے کی ہے کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تمام عملوں کا مدار نیت پر ہے یعنی نیت کے مطابق اس کا ثمرہ ملے گا اور اللہ کے یہاں وہی عمل قبول ہوتا ہے جو اخلاص اور صدقِ نیت کے ساتھ اس کی رضا وخوشنودی کیلئے کیا جائے ورنہ اگر اس میں نمود ونمائش اور ریاکاری کے کوئی حصہ شامل ہوگا تو وہ عمل قابل قبول نہیں ہوگا۔

اس لئے ہر عمل سے پہلے ہمیشہ اپنی نیت کو درست کرلیا جائے کہ اس میں کوئی کھوٹ شامل نہ ہو بلکہ وہ عمل خالص نیت کے ساتھ سچے دل سے اللہ کی خوشنودی ہی کیلئے کیا جائے۔اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہم سب کواس کی توفیق بخشے اور ریاکاری نمود ونمائش کے ہر شائبہ سے ہماری حفاظت فرمائیں۔ آمین یارب العلمین

مرزا غلام احمد قادیانی کے ارتداد پر سب سے پہلا فتوائے تکفیر

تحریک ختم نبوت تاریخ کے آئینے میں

ازقلم: حبیب الرحمٰن لدھیانوی — قسط 36

افغانستان میں قادیانی مرتدّین پر مقدمہ اور سزائے موت

مرزا غلام احمد قادیانی نے جب جھوٹی نبوت کا دعویٰ کیا تو اس نے اپنی اس جھوٹی نبوت کی تبلیغ کا سلسلہ افغانستان تک بھی پہنچایا، چنانچہ کچھ گنے چنے لوگ اس کے اس فریب میں آ گئے ان میں دو شخص عبدالحلیم اور نور علی تھے جنہوں نے وہاں پر قایانیت کی تبلیغ کے ساتھ ساتھ انگریز کے لئے جاسوسی بھی شروع کر دی۔ جس کی تفصیل اخبار الفضل نے افغانی اخبار (امان افغان) کے حوالہ سے فخریہ طور پر اس طرح شائع کی۔

''افغانستان گورنمنٹ کے وزیر داخلہ نے مندرجہ ذیل اعلان شائع کیا ہے، کابل کے دو اشخاص ملا عبدالحلیم چہار آسیائی اور ملا نور علی دوکاندار قادیانی عقائد کے گرویدہ ہو چکے تھے اور لوگوں کو اس عقیدہ کی تلقین کر کے انہیں صلاح کی راہ سے بھٹکا رہے تھے، جمہور نے ان کی اس حرکت سے مشتعل ہو کر ان کے خلاف دعویٰ دائر کر دیا اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مجرم ثابت ہو کر عوام کے ہاتھوں پنج شنبہ ۱۱ رجب کو عدم آباد پہنچائے گئے، ان کے خلاف مدت سے ایک اور دعویٰ دائر ہو چکا تھا اور مملکت افغانیہ کے مصالح کے خلاف غیر ملکی لوگوں کے سازشی خطوط ان کے قبضے سے پائے گئے جن سے پتہ چلتا ہے کہ وہ افغانستان کے دشمنوں کے ہاتھوں بک چکے تھے۔

(بحوالہ قادیانیت، مرتبہ مولانا ابوالحسن علی ندوی صفحہ ۴۰)

افغانستان میں فتنہ ارتدادی کی سزا کے موضوع پر تحقیقاتی عدالت فسادات پنجاب ۱۹۵۳ء کے صفحہ ۱۸ پر اس طرح اظہار کیا گیا ہے۔

افغانستان میں احمدیوں کی سنگساری اور ''الشہّاب''

بعض ممتاز علماء نے ہمارے سامنے یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ اسلام میں ارتداد کی سزا موت ہے۔اس لئے اگر احمدی کافر ہیں تو جو شخص احمدی ہو جاتا ہے وہ گویا اپنے آپ کو سزائے موت کا مستوجب بنا لیتا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ عقیدہ افغانستان میں قانون ملکی کی حیثیت سے نافذ ہے۔ چنانچہ وہاں بہت سے اشخاص اپنے غیر اسلامی عقائد کی وجہ سے موت کے گھاٹ اتارے جا چکے ہیں۔ پہلا احمدی جس کو اس قانون کے ماتحت جان دینی پڑی ایک شخص عبدالرحمان خان تھا جو امیر عبدالرحمٰن کے عہدِ حکومت میں ہلاک کیا گیا۔ دوسرا عبداللطیف تھا جو ۱۹۰۳ء میں امیر حبیب اللہ خان کے دور حکومت میں سنگسار کیا گیا۔ عبداللطیف افغانستان کا باشندہ تھا اور کچھ مدت تک قادیان میں مرزا غلام احمد کی صحبت میں رہ کو خود احمدی ہو گیا تھا، جب وہ ۱۹۰۳ء میں افغانستان کو واپس آیا تو علماء نے اس کو احمدی ہو جانے کی وجہ سے مرتد قرار دیا اور اس کو موت کی سزا دے دی۔ چنانچہ وہ کمر تک زمین میں گاڑ دیا گیا اور اس کے بعد پتھر مار مار کر ہلاک کر دیا گیا۔ یہی حشر نعمت اللہ خان کا ہوا جس کو علمائے افغانستان نے احمدی ہونے کی وجہ سے مرتد قرار دیا۔ چنانچہ وہ ۳۱ راگست ۱۹۲۴ء کو بمقام شیر کوٹ بر سر عام سنگسار کر دیا گیا۔

نعمت اللہ کی سزائے موت پر ہندوستان میں اس امر کے متعلق نزاع پیدا ہوا کہ آیا اسلام میں مرتد کی سزا موت ہے یا نہیں۔ دیو بند کے ایک مشہور عالم مولانا شبیر احمد عثمانی نے اس مسئلہ پر ایک کتابچہ "الشہاب" کے نام سے لکھا۔ جس کے پہلے حصے میں ثابت کیا گیا تھا کہ احمدی مرتد ہیں اور دوسرے حصے میں اس دعوے کے دلائل دیئے گئے تھے کہ اسلام میں ارتداد کی سزا موت ہے۔ (تحقیقاتی عدالت ۱۹۵۳ء صفحہ ۱۸)

افغانستان میں علماء لدھیانہ کی فقاہت کا اثر

گذشتہ شماروں میں ہم نے تفصیل سے ذکر کیا تھا کہ افغانستان کے دو حکمران خاندانوں کے ساتھ علماءِ لدھیانہ کے قریبی تعلقات تھے۔ ان میں ایک احمد شاہ ابدالی کے پوتے شاہ زمان الملک اور شجاع الملک، اور دوسرے امیر دوست محمد خان کا خاندان تھا۔ یہ دونوں ۱۸۳۰ء کی دہائی میں خاندان علماء

لدھیانہ کے جد امجد حضرت مولانا شاہ عبدالقادر لدھیانویؒ کے ہاتھ پر بیعت ہو گئے تھے۔افغانستان میں حکمرانی کے جنگ میں ان دونوں خاندانوں میں جنگ ہوگئی ،جس میں احمد شاہ ابدالی کے پوتوں ''شاہ زمان الملک اور شجاع الملک'' کو شکست ہوگئی ،وہ قتل کر دیئے گئے۔اور عنان اقتدار امیر دوست محمد خان کے پاس آ گیا اور بعد میں چار پانچ نسلوں تک یہ خاندان افغانستان پر حکمران رہا۔اس خاندان کے آخری فرمانروا امیر امان اللہ خان تھے، جو کہ انگریز کی ایک سازش کا شکار ہو کر ۱۹۲۴ء میں برطرف کر دیئے گئے تھے۔

جب ۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی کا طبل بجا تو ہندوستان کے مختلف علاقوں سے مجاہدین آزادی انگریز کے مقابلے کے لئے دہلی پہنچنا شروع ہو گئے تو پنجاب کی فوجوں کی کمان کرتے ہوئے علماء لدھیانہ کے سرخیل مولانا عبدالقادر لدھیانوی رحمتہ اللہ علیہ دہلی پہنچے اس میں مولانا عبدالقادر لدھیانویؒ کے چاروں فرزند بھی تھے جن کے اسماء گرامی یہ ہیں (۱) مولانا سیف الرحمٰن لدھیانویؒ (۲) مولانا محمد لدھیانویؒ (۳) مولانا عبدالعزیز لدھیانویؒ (۴) مولانا محمد عبداللہ لدھیانویؒ۔ ان چاروں صاحبزادوں نے بڑی بے جگری کے ساتھ ۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی میں حصہ لیا۔بدقسمتی سے یہ جنگ آزادی ناکام ہوگئی ،چنانچہ ان حضرات کو روپوش ہونا پڑا اور مولانا سیف الرحمٰن لدھیانویؒ کو افغانستان امیر دوست محمد خاں سے فوجی امداد کے لئے بھیج دیا گیا۔

رئیس الاحرار مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانویؒ اس کی تفصیل یوں بیان فرماتے ہیں۔

> مولانا سیف الرحمٰن جو سب سے بڑے بیٹے تھے ۱۸۵۷ء کے قومی انقلاب کے بعد اپنے پھوپھی زاد بھائی مولانا اسماعیل صاحب و مولانا فضل الدّین صاحب لاہوری جو کہ حکیم محمد حسن صاحب قرشی پرنسپل طیبہ کالج لاہور کے والد تھے کیساتھ کابل پہنچ گئے ،مولانا اسماعیل صاحبؒ اور مولانا فضل الدین صاحبؒ واپس آ گئے مگر مولانا سیف الرحمٰن صاحبؒ کو امیر دوست خاں نے ان کو بڑے تکریم وعزت سے اپنے پاس رکھا اور پھر انہیں کچھ جاگیر اور ایک اچھا عہدہ دے کر بلخ کے علاقے میں بھیج دیا۔۱۹۱۳ء تک ان کے خطوط بلخ سے لدھیانہ آتے رہے انہوں نے وہاں شادی بھی کی اور دو بچے ان کے یہاں پیدا ہوئے مولانا سیف الرحمٰنؒ نے اپنے لڑکے کا نام محمد اسحاق اور لڑکی کا نام فاطمہ رکھا۔

لدھیانہ میں بھی ان کے دو بچے تھے لڑکے کا نام مولوی آفاق مرحوم تھا اور لڑکی کا نام فاطمہ تھا۔ مولانا سیف الرحمانؒ چھ فٹ کے فوجی جوان تھے ان کو پوری فوجی ٹریننگ حاصل تھی۔ لدھیانہ سے قومی افواج کی دہلی کی طرف روانگی کے وقت مولانا سیف الرحمٰنؒ کو متفقہ طور پر قومی افواج نے اپنا کمانڈر بنایا تھا۔ مولانا سیف الرحمٰنؒ کی شجاعت اور ذہانت کے اب تک قصے ہمارے خاندان میں مشہور ہیں۔

(بحوالہ رئیس الاحرار صفحہ ۶۳)

ان میں حضرت مولانا عبدالقادر لدھیانویؒ کے آخری تینوں فرزندوںؒ (۱) مولانا محمد لدھیانویؒ (۲) مولانا عبدالعزیز لدھیانویؒ (۳) مولانا محمد عبداللہ لدھیانویؒ نے ۱۸۸۴ء میں سب سے پہلے مرزا غلام احمد قادیانی پر کفر کا فتویٰ دے رکھا تھا۔ چنانچہ جب ان قادیانی مرتدین پر افغانستان میں امیر افغانستان کی زیرنگرانی مقدمہ چلایا جا رہا تھا تو مرزا غلام احمد قادیانی کے مسئلہ پر علماء کو بھی دعوت دی گئی ان علماء میں مولانا سیف الرحمٰن لدھیانویؒ کے صاحبزادے مولانا محمد اسحٰقؒ بھی تھے انہوں نے دلائل کے ساتھ مرزا قادیانی کے دعوؤں کا رَدّ کیا اور ساتھ یہ بھی بتلایا کہ میرے چچا مولانا محمد لدھیانویؒ مولانا عبدالعزیزؒ مولانا محمد عبداللہؒ وغیرہ نے مرزا قادیانی پر کفر کا فتویٰ دے رکھا ہے اور ساتھ مرتد کی سزا کا بھی حکم سنایا، اس وقت افغانستان کے حکمران امیر عبدالرحمٰن پھر ان کے جانشین امیر حبیب اللہ خان تھے جو کہ امیر دوست محمد خان کے پوتے اور پڑپوتے تھے، انہیں علمائے لدھیانہ کی علمی فقاہت کا علم تھا اور ان علماء لدھیانہ سے عقیدت بھی تھی، چنانچہ ملا عبدالحلیم اور ملا نور علی قادیانی کو ارتداد اور جاسوسی کے جرم میں سزائے موت دے دی گئی۔

مرزا قادیانی کا احتجاجی خط اور والئی افغانستان کا جواب

یہ روایت ہمارے خاندان میں متوارث ہے کہ:

”جس وقت مرزا غلام احمد قادیانی کو معلوم ہوا کہ والئی افغانستان کے حکم سے میرے ماننے والوں کو قتل کیا جا رہا ہے تو اس نے والئی افغانستان کو ایک احتجاجی خط لکھا جس کے جواب میں والئی افغانستان نے صرف ایک جملہ لکھا ہے جو فارسی میں تھا وہ یہ کہ:

ایں جا بیا (یعنی اس جگہ آؤ)

جب یہ جواب مرزا غلام احمد قادیانی کو پہنچا تو اس نے خاموشی اختیار کر لی، مرزا قادیانی کو اس جواب کے معنی بخوبی معلوم ہو گئے تھے کہ اگر میں افغانستان گیا تو میرا حال بھی میرے مبلغین جیسا ہوگا یعنی مجھے بھی قتل کر دیا جائے گا۔ تو گویا کہ اللہ تعالیٰ نے افغانستان میں بھی علماء لدھیانہ کے فتویٰ کی برکت کو ظاہر کر فرما دیا۔

ملّاں سیف الرحمٰن ہندی

میری خواہش کافی عرصہ سے تھی کہ ہمارے خاندان کے ان بزرگ (مولانا سیف الرحمٰن لدھیانوی مرحوم) کی اولاد کا کچھ پتہ چلنا چاہیے، افغانستان کی جنگ میں جو لوگ شریک ہوئے ان سے کئی دفعہ اس سلسلہ میں تحقیق کرتا رہا مگر کامیابی نہیں ہوئی اچانک گزشتہ دنوں ۲۵ جون ۱۹۹۶ء کو میں مرشدی و مولائی حضرت سید انور حسین نفیس شاہ صاحبؒ کی خدمت میں بعد از نماز ظہر بیٹھا تھا ان کی خدمت میں ایک صاحب جو افغانستان کی جنگ میں شریک رہے موجود تھے۔ مولانا سیف الرحمٰنؒ کا اچانک تذکرہ ہو گیا تو ان صاحب نے بتایا کہ افغانستان کے سابق صدر صبغت اللہ مجددی کے علاقے شور بازار میں ایک گھرانہ قیام پذیر تھا۔ سنا تھا کہ ملا سیف الرحمٰن ہندی کی اولاد ہے جو کہ مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانویؒ مرحوم کے رشتہ دار تھے، اب وہ علاقہ جنگ کی وجہ سے تباہ ہو چکا ہے اس سے معلوم ہوا کہ اب تک ہمارے خاندان کا سلسلہ نسب افغانستان میں چل رہا ہے۔

علماءِ لدھیانہ کی علماءِ ہند پر سختی کی وجہ

بعض حضرات کہتے ہیں کہ علماءِ لدھیانہ نے فتویٰ تکفیر قادیانی دیتے وقت اسوقت کے علماءِ اسلام سے انتہائی سختی کا برتاؤ کیا۔ جیسے حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ اور حضرت مولانا محمد یعقوب نانوتویؒ کہ ان کے ساتھ بھی سختی سے پیش آئے، تو جواب اس کا یہ ہے کہ یہی سختی علماءِ لدھیانہ کی سیاسی بصیرت اور علمی دور اندیشی کا پتہ دیتی ہے کیونکہ مرزا غلام احمد قادیانی جس روپ میں علماءِ اسلام کے سامنے آیا تھا اس سے اس وقت کے علماءِ کرام بھی دھوکہ میں آ گئے جیسا کہ پیچھے تفصیلاً ذکر ہو چکا ہے اور بڑے بڑے علماءِ کرام نے اس کی حمایت اور ساتھ دینے کا اعلان کر دیا تھا چونکہ علماءِ لدھیانہ اس (مرزا قادیانی) کی اصلیت سے واقف ہو چکے تھے اس لئے انہوں نے کفر کا فتویٰ جاری فرمایا تو اس وقت

علماءِ ہند نے بُرا منایا تھا اور اس وقت کے علماءِ اسلام کا کہنا تھا کہ مرزا قادیانی کی تحریروں کی تاویلات ظن المومنین خیراً کے اعتبار سے کرنی چاہئیں، تو اس وقت علماءِ لدھیانہ اگر سختی نہ کرتے تو اس کے دعوؤں کی طرف کسی کا خیال نہ جاتا۔ انہی کی اس سختی کی بنا پر علماءِ ہند کو سوچنا پڑا کہ آخر یہ علماءِ لدھیانہ جو اس مرزا قادیانی پر کفر کا فتویٰ لگا رہے ہیں اس کی وجہ کیا ہے، لہٰذا غور کرنے سے ان علماءِ اسلام کو معلوم ہو گیا کہ علماءِ لدھیانہ حق پر ہیں اور مرزا قادیانی کافر و مرتد ہے۔ چنانچہ علماءِ لدھیانہ کی اس سختی نے بڑے بڑے لوگوں کو گمراہی سے بچالیا۔

فکری آزادی کے تباہ کن اثرات

گزشتہ شماروں میں ہم نے غیر مقلدین کے سرخیل مولانا محمد حسین بٹالوی مرحوم اور انہی کے فاتح قادیان مولانا ثناء اللہ امرتسری مرحوم کے قادیانیوں کی نسبت مذبذب طرزِ عمل کا ذکر کیا تھا، جو کہ انہوں نے عدالتوں میں جا کر اختیار کیا تھا۔ کچھ کرم فرماؤں نے سوال کیا ہے کہ آخر ان دونوں بزرگوں نے اتنے بڑے اہل علم ہونے کے باوجود ایسا رویہ کیوں اختیار کیا؟۔

اس کے متعلق عرض ہے کہ اصل میں یہ سب کچھ ''فکری آزادی'' کا نتیجہ تھا۔ ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کے ناکامی کے بعد انگریز نے جب پورے ہندوستان پر بلاشرکتِ غیرے اپنی گرفت مضبوط کر لی تو اس نے اپنے منصوبے کے تحت ہندوستان میں مسلمانوں کے درمیان فرقہ واریت کی بنیاد ڈالی۔ جس میں سب سے زیادہ خطرناک طبقہ ''فکری آزادی'' کے نام سے فروغ پایا۔ فکری آزادی کا عنوا ہی اپنے اندر ایک کشش رکھتا تھا، اس لئے اس کو خوب استعمال کیا گیا۔ فکری آزادی کا مقصد صرف اور صرف یہ تھا کہ کسی نہ کسی طریقہ سے اس قوم کو ملّاں سے دور کر دیا جائے، اور ''خود پڑھو، خود ہی سمجھو اور خود ہی اس پر عمل کر ڈالو'' کا فیشن لوگوں میں عام کر دیا جائے۔ ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں بنیادی کردار چونکہ ملّاں ہی کا تھا اور ہندوستان میں مسلمان قوم ہی نے باقاعدہ جنگ لڑی، کیونکہ ہندوستان کا اقتدار مسلمان قوم کے پاس تھا، اور انگریز نے مسلمان سے ہی اقتدار چھینا تھا، اسی لئے مسلمانوں نے من حیث الملت اس جنگ میں بھرپور کردار ادا کیا۔ اور اس جنگ کی سرپرستی مسلمان علماء ہی نے کی تھی۔ جس میں فتویٰ فرضیت جہاد کو بنیادی اہمیت تھی۔ اس لئے مسلمان قوم علماء کے اس فتویٰ پر عمل کرتے ہوئے انگریزی فوج سے ٹکرا گئی۔ ۱۸۵۷ء میں ہندو قوم کی طرف سے اجتماعی طور پر اس قسم کے جذبے کا اظہار نہیں کیا گیا تھا۔ اسی لئے ہندوؤں میں فرقہ وارانہ

اختلافات کونہیں اُبھارا گیا۔

فکری آزادی کے نام پر جو سب سے پہلا فتنہ کاشت کیا گیا وہ ترکِ تقلید کا تھا۔جس نے اس وقت تیزی کے ساتھ ترقی کے منازل طے کرنے شروع کئے۔ ہر شخص کواس بات کی اجازت دے دی گئی کہ وہ خود قرآن وحدیث کو اپنے سامنے رکھ کر اپنی مرضی کی تشریح کر کے اس پر عمل کرنا شرع کر دے۔ جب کوئی اعتراض کرے تو کہدیا جاتا کہ میں نے تو حدیث پر عمل کیا ہے۔ جب کسی امام یا مجتہد کا نام لیا جاتا تو کہد یتے کہ حدیث کے مقابلے کسی امام یا مجتہد کی کیا حیثیت ہے۔اور عام آدمی اس جواب سے متأثر ہو جاتا تھا۔اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ اسی ترکِ تقلید یا فکری آزادی کی تحریک سے مختلف فتنوں نے سر اُبھارا۔مثلاً سر سید احمد خان کا نیچری فتنہ، عبداللہ چکڑالوی کا فتنہ انکارِ حدیث اور مرزا غلام احمد قادیانی کی طرف سے نئی نبوت کا دعویٰ۔ان تینوفتنوں نے اسی ترک تقلید یا فکری آزادی کے عنوان کی کوکھ سے جنم لیا تھا۔ان تینوں کا غیر مقلّد یا اہل حدیث ہونا مکتب فکر اہل حدیث کے ممتاز مفکر مولانا محمد حسین بٹالوی مرحوم نے بھی بیا نگِ دُہل تسلیم کیا ہے۔ہم نے اس بات کو تفصیل کے ساتھ گزشتہ شماروں میں ذکر کیا ہے،مگر ذہن کی تازگی کے لئے اشارۃً یہاں بھی ذکر کردیا جانا مناسب معلوم ہوتا ہے۔مولانا بٹالوی مرحوم اپنے رسالہ ''اشاعۃ السنۃ'' میں ایک جگہ فرماتے ہیں:

ہندوستان میں مذہب نیچریت کے بانی (سرسید احمد خان) کا زمانہ تصنیف رسالہ ''جواب ڈاکٹر ہنٹر'' تک یہی ادعا تھا کہ میں اہلحدیث ہوں۔

ان کے شاگرد (مگر نافرماں بردار وسرکش) قادیان کے پرافٹ نے گوڈائریکٹ (بلاواسطہ) اور بصراحت یہ دعویٰ نہیں کیا تھا کہ میں اہلحدیث ہوں مگر ان کے ڈائریکٹ (بواسطہ مشاہیر جماعت خود اور پریکٹیکلی (عملی طور پر) یہ ثابت کر دیا تھا کہ وہ اہلحدیث تھا۔

عبداللہ (عرف غلام نبی) بھی ابتداء میں اسی اصول سے اہلحدیث ہی کہلاتا تھا (اس کی تفسیر ملاحظہ ہو) گواب وہ اہلحدیث کہلانے کو کفر جانتا ہے۔

(اشاعۃ السنہ نمبر ۵ ج ۲۰ ص ۱۵۶)

جبکہ مقلّدین جن میں احناف کی اکثریت تھی،اور یہ لوگ فاتحین کی فوجوں کے ساتھ ہندوستان میں داخل ہوئے تھے،اسی لئے برصغیر میں زیادہ تر فقہ حنفی کا ماننے والے تھے۔کچھ ساحلی علاقوں میں شافعی مسلک کے مقلّد لوگ تھے، جو کہ بہت ہی کم تھے۔ان مقلّدین کا نظریہ تھا کہ براہ راست قرآن وحدیث کو سمجھنے کی بجائے ان اہل علم کی فقاہت پر اعتماد کرلیا جائے جو کہ سینکڑوں سال ہم سے پہلے اللہ کے نبی کے زمانہ کے

زیادہ قریب ہیں۔اس لئے دین میں جو سمجھ ان اسلاف کو حاصل ہے وہ بعید کے زمانہ کے لوگوں کو حاصل نہیں۔ کیونکہ ان کے سامنے تمام احادیث کا ذخیرہ پیش ہوا،اور پھر ان ائمہ کرام نے ان تمام احادیث کی چھان پھٹک کر کے تفقّہ فی الدّین کی بنیاد پر فقہ کو مدوّن کر دیا،تا کہ بعد میں آنے والے اہل علم کے لئے مشعل راہ ہو۔اور پھر وہی احادیث کا ذخیرہ بعد میں صحاحِ ستّہ اور دوسری کتابوں کی شکل میں مرتب ہو کر اہل علم کے پاس پہنچا۔اور پھر ایسے اصول وضع کئے جن سے بعد میں آنے والے مسائل کو اس وقت کے فقہاء انہی اصولوں کی بنیاد پر حل نکالیں۔یہی وجہ ہے کہ مقلّدین کے گمراہ ہونے کے امکانات بہت ہی کم ہو گئے۔اس میں سرِ فہرست مقلّدینِ احناف ہیں۔اسی پر مولانا محمد حسین بٹالوی مقلّدین احناف کے متعلق ایک جگہ لکھتے ہیں:

اور حنفی المذہب مقلّد سے ہر گز ممکن و متصور نہیں کہ وہ عیسائی ، مرزائی ہو جائے،جب تک کہ وہ حنفی المذہب کا مقلّد ہے۔یہ بلاء کادیانی کے اتباع کی اکثر اسی فرقہ میں پھیلی ہے جو عامی و جاہل ہو کر مطلق تقلید کے تارک و غیر مقلّد بن گئے۔

(اشاعۃ السنہ۔ج ۱۵۔ص ۱۷۔۲۔ش ۱۱)

مولانا محمد حسین بٹالوی اہل حدیث کہلانے کے باوجود یہ سمجھتے تھے کہ حنفی تقلید کے بغیر چارہ نہیں،وہ پھر بھی کہیں نہ کہیں اپنے آپ کو حنفی ظاہر کرتے تھے۔مثلاً ایک جگہ وہ لکھتے ہیں:

آج کل کے بعض اہل حدیث کہلانے والوں میں، نیچریت، مرزائیت، چکڑالویت،معتزلیت و رافضیت پھیلتی جاتی ہے۔اہل حدیث کے ساتھ لفظ ''حنفی'' ملانے سے یہ ظاہر ہو جائے گا کہ اس لقب کا مصداق،سنی اہل حدیث ہے۔نہ معتزلی اور نہ مرزائی اور نہ نیچری اور نہ رافضی وغیرہ۔ (اشاعۃ السنہ نمبر ۱۰ جلد ۲۲ ص ۳۱۰۔۳۱۱)

مزید تفصیل کے لئے راقم کی کتاب ''تاریخ ختم نبوت'' ملاحظہ کی جاسکتی ہے۔

اس کی تصدیق معروف غیر مقلّد مفکر مولانا محمد اسماعیل سلفی ان الفاظ میں کرتے ہیں!

اسی طرح غیر مقلّد کا لفظ شتر بے مہار کے معنیٰ میں استعمال ہوتا ہے۔

(تحریک آزادئ فکر صفحہ ۱۹۸)

جو لوگ ترکِ تقلید کے مدعی ہیں انہیں غیر مقلّد' لا مذہب یا وہّابی کہا جاتا ہے۔

(تحریک آزادئ فکر صفحہ ۱۹۹)

اسی طرح مولانا ابو یحیٰ محمد شاہجہان پوری (غیر مقلّد) فرماتے ہیں۔

کچھ عرصہ سے ہندوستان میں ایک ایسے غیر مانوس مذہب کے لوگ دیکھنے میں آرہے ہیں، جس سے لوگ بالکل نا آشنا ہیں، پچھلے زمانہ میں شاذ ونادر اس خیال کے لوگ کہیں ہوں تو ہوں مگر اس کثرت سے دیکھنے میں نہیں آئے۔ بلکہ ان کا نام تھوڑے ہی دنوں سے سنا ہے۔ اپنے آپ کو تو وہ اہل حدیث یا محمدی یا موحّد کہتے ہیں۔ مگر مخالف فریق میں ان کا نام غیر مقلّد' یا وہّابی' یا لا مذہب لیا جاتا ہے۔

(الارشاد الی سبیل الرشاد صفحہ ۹۔ شائع کردہ۔ صوبائی جمعیت اہل حدیث، بمبئی، انڈیا)

فکری آوارگی کے نتائج

اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ جو لوگ کچھ بھی لکھنا پڑھنا جانتے تھے انہوں نے اپنے طور پر قرآن و حدیث کا مطلب نکالنا شروع کر دیا، اور پھر ابتدائی طور پر گمراہی کے راستے پر چل پڑے۔

مرزا غلام احمد قادیانی پر سب سے پہلے کفر کا فتویٰ دینے والے علماءِ لدھیانہ حضرت مولانا محمد لدھیانویؒ، حضرت مولانا عبد العزیز لدھیانویؒ، اور حضرت مولانا عبداللہ لدھیانویؒ جو کہ تینوں بھائی تھے وہ ۱۹۰۳ء تک یکے بعد دیگرے انتقال فرما گئے تھے۔

اب امت میں بظاہر ایسی کوئی شخصیت نہیں تھی جو کہ ان حالات میں صحیح رہنمائی کر سکتی۔ اس کی سب سے بڑی وجہ یہ بھی تھی کہ ان حضرات کی کوئی جماعت تھی اور نہ تنظیم۔ چونکہ ان حضرات نے با قاعدہ طور پر ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں حصہ لیا تھا، اور فتویٰ فرضیتِ جہاد مرتب کیا تھا، اس لئے انگریزی حکومت کی طرف سے مولانا محمد حسین بٹالوی کی سرپرستی میں علماء لدھیانہ کے ہر ہر قدم کی نگرانی کی جاتی تھی (اس کی تفصیل گزشتہ شماروں میں آچکی ہے)۔

اس لئے یہ لدھیانوی بزرگ سائل کے جواب میں فتویٰ تو دیدیا کرتے مگر جماعتی شکل میں تحریک پیدا کرنا ان کے لئے مشکل تھا۔

جبکہ غیر مقلّدین کے لئے انگریزی حکومت کی طرف سے ہر قسم کے دروازے کھلے ہوئے تھے، ان کے لئے کسی قسم کی جماعتی تحریک پیدا کرنا بہت ہی زیادہ آسان تھا۔ مگر غیر مقلّدین کے اوّل مکفّر مولانا محمد حسین بٹالوی اور فاتح قادیان مولانا ثناء اللہ امرتسری نے وہ طرزِ عمل اختیار کیا جس کی وجہ

سے مرزا قادیانی کے خلاف دیئے گئے کفر کے فتوؤں کی حیثیت ہی ختم ہو کر رہ گئی۔ان کا عوام الناس میں قادیانیوں کی مخالفت میں بیان بازی کرنا اور عدالتوں میں جا کر اپنے بیانات کے برعکس (جن میں ان دونوں غیر مقلد بزرگوں کی طرف سے برملا عدالتوں میں قادیانیوں کو مسلمان تسلیم کرنا اور مرزا قادیانی کو کافر ،کاذب ،دجاّل نہ کہنے کے معاہدے کرنا) ان سب نے اس مسئلہ کو اور زیادہ گھمبیر بنادیا تھا۔چنانچہ امت مسلمہ میں فکری آزادی کے علم برداروں میں اتنی صلاحیت نہ تھی کہ وہ کھرے اور کھوٹے کی پہچان کرسکیں۔جس کی وجہ سے کئی صحیح العقیدہ لوگ بھی شش و پنج میں مبتلا ہو کر ابتداء میں مرزا قادیانی کی تحریک کو اسلام کی اہم تحریک سمجھنے لگے۔

غیر مقلّدین کے مکفرِ اوّل اور انہی کے فاتح قادیان کے عوامی اور عدالتی بیانات میں تضادات کو سامنے رکھتے ہوئے فکری آزادی کے علم بردار یہ سمجھے کہ یہ کفر کے فتوے اور پھر ان کا عدالتی رجوع صرف اور صرف مولویوں کی مناظرانہ بحثوں کے علاوہ کچھ نہیں۔یہ زمانہ وہ تھا کہ اس وقت تک مجلس احرار اسلام معرض وجود میں نہیں آئی تھی۔

اور قادیانیت کے خلاف کوئی باقاعدہ منظّم تحریک نہ تھی۔ان دنوں میں کئی مشاہیر مرزا غلام احمد قادیانی کے جال میں نادانستہ طور پر پھنستے چلے جارہے تھے۔اوران کے خیالات قادیانی تحریک کے بارے میں مثبت پائے جانے لگے تھے۔چنانچہ مرزا قادیانی کے جہنم رسید ہونے پر کچھ اخبارات نے اس پر جو تبصرے کئے ان میں سے کچھ کا ذکر یہاں کیا جاتا ہے۔تاکہ کل کو کوئی یہ نہ کہے کہ تاریخ میں بددیانتی کی گئی ہے۔

مرزا غلام احمد قادیانی کی موت پر کچھ اخبارات کی آراء

(الف) مولانا عبداللہ العمادی مدیر اخبار ''وکیل'' امرتسر نے اخبار ''وکیل میں لکھا:

''وہ شخص بہت بڑا شخص جس کا قلم سحر تھا اور زبان جادو۔وہ شخص جو دماغی عجائبات کا مجسمہ تھا۔جس کی نظر فتنہ اور آواز حشر تھی۔جس کی انگلیوں سے انقلاب کے تار اُلجھے ہوئے تھے اور جس کی دو مٹھّیاں بجلی کی دو بیٹریاں تھیں......خالی ہاتھ دُنیا سے اُٹھ گیا......مرزا غلام احمد قادیانی کی رحلت اس قابل نہیں کہ اس سے سبق حاصل نہ کیا جائے اور مٹانے کے لیے اُسے امتدادِ زمانہ کے حوالہ کر کے صبر کرلیا جائے۔ایسے لوگ جن سے

مذہبی یا عقلی دنیا میں انقلاب پیدا ہو۔ ہمیشہ دنیا میں نہیں آتے۔ یہ نازش فرزندانِ تاریخ بہت کم منظر پر آتے ہیں اور جب آتے ہیں تو دنیا میں انقلاب کر کے دکھا جاتے ہیں۔

مرزا صاحب کی اس رحلت نے اُن کے بعض دعاوی اور بعض معتقدات سے شدید اختلاف کے باوجود ہمیشہ کی مفارقت پر مسلمانوں کو ان تعلیم یافتہ اور روشن خیال مسلمانوں کو محسوس کرادیا کہ اُن کا ایک بڑا شخص اُن سے جدا ہو گیا۔ اور اس کے ساتھ مخالفینِ اسلام کے مقابلہ پر اسلام کی اُس شاندار مدافعت کا جو اُس کی ذات سے وابستہ تھا، خاتمہ ہو گیا۔ اُن کی یہ خصوصیت کہ وہ اسلام کے مخالفین کے برخلاف ایک فتح نصیب جرنیل کا فرض پورا کرتے رہے، ہمیں مجبور کرتی ہے کہ اس احساس کا کھلم کھلا اعتراف کیا جائے...... مرزا صاحب کا لٹریچر جو مسیحیوں اور آریوں کے مقابلہ پر اُن سے ظہور میں آیا۔ قبولِ عام کی سند حاصل کر چکا ہے اور اس خصوصیت میں وہ کسی تعارف کا محتاج نہیں۔ اس لٹریچر کی قدر و عظمت آج جب کہ وہ اپنا کام پورا کر چکا ہے۔ ہمیں دل سے تسلیم کرنی پڑتی ہے۔ اس لیے کہ وہ وقت ہرگز لوحِ قلب سے نسیاً منسیاً نہیں ہوسکا۔ اسلام مخالفین کی یورشوں میں گھِر چکا ہے......

''غرض مرزا صاحب کی یہ خدمت آنے والی نسلوں کو گراں بار احسان رکھے گی کہ انہوں نے قلمی جہاد کرنے والوں کی صفِ اول میں شامل ہو کر اسلام کی طرف سے فرضِ مدافعت ادا کیا۔ اور ایسا لٹریچر یادگار چھوڑا جو اُس وقت تک مسلمانوں کی رگوں میں زندہ خون رہے اور حمایتِ اسلام کا جذبہ ان کے شعارِ قومی کا عنوان نظر آئے، قائم رہے گا۔'' (اخبار ''وکیل'' امرتسر)

(ب) علیگڑھ انسٹیٹیوٹ گزٹ نے لکھا:

''مرحوم ایک مانے ہوئے مصنف اور مرزائی فرقہ کے بانی تھے...... کئی دفعہ آپ کو کافر قرار دیا گیا اور آپ پر اکثر مقدمات کیے گئے...... بے شک مرحوم اسلام کا ایک بڑا پہلوان تھا۔'' (علیگڑھ انسٹی ٹیوٹ گزٹ)

(ج) تہذیب نسواں لاہور کے مدیر شمس العلماء مولانا ممتاز علی صاحب لکھتے ہیں:

''مرزا صاحب مرحوم نہایت مقدس اور برگزیدہ بزرگ تھے۔ اور نیکی کی ایسی قوت رکھتے تھے۔ جو سخت سے سخت دلوں کو تسخیر کر لیتی تھی۔ وہ نہایت باخبر عالم، بلند ہمت، مصلح اور پاک زندگی کا نمونہ تھے۔'' (تہذیب نسواں)

(د) اخبار زمیندار کے مدیر مولانا ظفر علی خان صاحب کے والد ماجد مولوی سراج دین صاحب لکھتے ہیں:

''مرزا غلام احمد صاحب قادیانی نے ۲۶ مئی کی صبح کو لاہور میں انتقال فرمایا انا للہ وانا الیہ راجعون ...... مرزا غلام احمد ۱۸۶۰ء یا ۱۸۶۱ء کے قریب ضلع سیالکوٹ میں محرر تھے۔ اُس وقت آپ کی عمر بائیس تیئس سال کی ہوگی اور ہم چشم دید شہادت سے کہہ سکتے ہیں کہ جوانی میں بھی نہایت صالح اور متقی تھے۔ کاروبار ملازمت کے بعد ان کا تمام وقت مطالعہ دینیات میں صرف ہوتا تھا۔ عوام سے کم ملتے تھے۔ ۱۸۷۷ء میں ہمیں ایک شب قادیان میں آپ کے ہاں مہمانی کی عزت حاصل ان دنوں بھی آپ عبادت اور وظائف میں اس قدر محو و مستغرق تھے کہ مہمانوں سے بھی بہت کم گفتگو کرتے تھے۔ ۱۸۸۱ء یا ۱۸۸۲ء میں آپ نے براہین احمدیہ کی تصنیف کا اعلان کیا اور ہم اس کے خریدنے والوں میں سے تھے۔ (اخبار زمیندار ۸ جون ۱۹۰۸ء)

(ح) ایڈیٹر ''صادق الاخبار'' ریواڑی مولوی بشیر الدین صاحب جو سر سید احمد خان کے ساتھیوں میں سے تھے اور مسلمانوں کے لیڈروں میں شامل تھے۔ لکھتے ہیں:

''چونکہ مرزا صاحب نے اپنی پرزور تقریروں اور شاندار تصانیف سے مخالفینِ اسلام کے لچر اعتراضات کے دندان شکن جواب دے کر ہمیشہ کے لیے ساکت کر دیا ہے۔ اور کر دکھایا ہے کہ حق حق ہی ہے۔ اور واقعی مرزا صاحب نے حق حمایتِ اسلام کما حقہ ادا کر کے خدمت اسلام میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا۔ انصاف متقاضی ہے کہ ایسے اولوالعزم حامیٔ اسلام اور معین المسلمین، فاضلِ اجل، عالمِ بے بدل کی ناگہانی اور بے وقت موت پر افسوس کیا جائے۔''

(باقی آئندہ)

امریکی معاشرے میں تشدد اور اس کے اسباب!

اشرف قریشی

امریکی دارالحکومت واشنگٹن میں بحریہ کے مرکز میں ایک شخص کی فائرنگ سے بارہ افراد مارے گئے۔اس واقعہ پر ابھی نصف ماہ گزر رہا ہے کہ اب پھر واشنگٹن میں ایک اور حادثہ رونما ہوگیا ہے۔ ایک سیاہ کار نے امریکی ایوان صدر (وائٹ ہاوس) کی جانب جانے کی کوشش کی اور راستے پر لگی ہوئی رکاوٹوں کو توڑتی ہوئی نکل گئی۔امریکہ بھر میں حکومتی شٹ ڈاون کی وجہ سے وہاں پر فرائض انجام دینے والی کیپیٹل پولیس بلاتنخواہ فرائض انجام دے رہی ہے۔

پولیس نے کار کو روکا تو کار نے پارلیمینٹ ہاوس کیپٹل ہل کا رُخ کرلیا۔ پارلیمینٹ کی عمارت سے دو بلاک پہلے کار کو روک لیا گیا اور کار ڈرائیور خاتون کو گولی ماردی گئی۔ایک پولیس والا بھی اس کشمکش میں زخمی ہوا،لیکن اُسے گولی نہیں لگی وہ گاڑی کی ٹکر سے زخمی ہوا ہے۔

پارلیمینٹ کے اندر عوامی نمائندے کاروبار حکومت کی بندش کے معاملات پر غور وفکر اور بحث مباحثہ کررہے تھے۔فائرنگ کی آوازوں، ہنگامے اور شور کے بعد عوامی نمائندے محفوظ جگہوں پر چلے گئے۔عمارت کو اندر سے تالے لگا دیئے گئے اور تمام داخلی راستے بھی بند کردیئے گئے۔ یہ تالہ بندی آدھ گھنٹے تک جاری رہی۔

میڈیا میں اس بات پر بحث ہورہی ہے کہ جب خاتون کے پاس کوئی ہتھیار نہیں تھا تو اسے گولیاں کیوں ماری گئیں۔اگر گولی چلانا تھی تو گاڑی کو روکنے کے لئے چلائی جاتی۔خاتون کے ساتھ ایک چھوٹا بچہ بھی تھا، جسے ہسپتال منتقل کردیا گیا ہے۔

امریکی پولیس کے بارے میں یہ شکایت عام ہے کہ یہ بلاضرورت اور ضرورت سے زیادہ آتشیں اسلحہ کا استعمال کرتی ہے۔اس کے برعکس لندن پولیس کی مثال دی جاتی ہے،جس کے پاس آتشیں اسلحہ نہیں ہوتا۔برطانیہ میں نار درن آئرلینڈ کی پولیس ہی صرف مسلح ہے۔

امریکہ میں ایک عرصے سے اندھا دھند فائرنگ سے ہلاکتوں کے واقعات ہو رہے ہیں۔ جب ایسا کوئی واقعہ پیش آتا ہے تو آتشیں اسلحہ پر پابندی کے حامی ہتھیاروں پر پابندی کا مطالبہ کرنے لگتے ہیں۔ آتشیں اسلحے پر پابندی کے مخالفین کی لابی بہت طاقت ور ہے۔ ان کی ایک تنظیم این آر اے (نیشنل رائفلز ایسوسی ایشن) ملک بھر میں پھیلی ہوئی ہے اور ری پبلیکنز میں این آر اے کا اثر بہت گہرا ہے۔ آتشیں اسلحہ پر پابندی کے مخالف اسے آئینی حق قرار دیتے ہیں۔ اُن کا کہنا ہے کہ فائرنگ کی ان وارداتوں کا اسلحے سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ اس کا تعلق معاشرے میں پھیلے ہوئے تشدد پر مبنی لٹریچر، فلموں اور بچوں کی ویڈیو گیمز سے ہے۔ ہوسکتا ہے یہ دلیل مکمل سچ نہ ہو، لیکن بالکل غلط بھی نہیں ہے۔

بعض حلقوں کا خیال ہے کہ اس کے پیچھے امریکہ کی ناآسودہ زندگی اور ناآسودہ خواہشات کا ہاتھ ہے۔ یہ بھی ایک پہلو ہوسکتا ہے۔ نیوی یارڈ میں فائرنگ کرنے والے کے بارے میں بتایا گیا ہے کہ وہ ذہنی طور پر صحت مند نہیں تھا۔

امریکہ میں ذہنی ناآسودگی، اعصابی تناؤ، ذہنی خلجان اور نفسیاتی پیچیدگیاں اس قدر زیادہ ہیں کہ امریکہ میں اٹھارہ سال سے اوپر کی عمر کے خواتین وحضرات میں سے پچیس فی صد نفسیاتی اُلجھنوں کا شکار ہیں اور یہ نفسیاتی اُلجھنیں معمولی درجے کی نہیں ہیں، بلکہ بیماری کی حد تک پہنچی ہوئی ہی۔ اٹھارہ سال سے کم عمر بچے اور نوجوان بھی ایسی بیماریوں سے محفوظ نہیں ہیں۔

نوجوان لڑکوں اور لڑکیوں میں خودکشی کا رجحان بھی پایا جاتا ہے، لیکن جب سے امریکی فوجیں عراق اور افغانستان میں گئی ہیں۔ ایک اندازے کے مطابق اتنے فوجی دشمن نے نہیں مارے جتنے فوجیوں نے خودکشی کی ہے۔ محاذ سے واپسی کے بعد بھی اکثر فوجی یا تو پُرتشدد واقعات میں ملوث پائے گئے یا پھر اُنہوں نے خودکشی کرلی۔

خودکشی بنیادی طور پر ایک ذہنی خلفشار کا نتیجہ ہے جو لوگ خودکشی کرتے ہیں وہ یہ یقین کر لیتے ہیں کہ اُن کے لئے اس کے سوا کوئی راستہ نہیں ہے، حالانکہ دیکھا گیا ہے کہ ان سے زیادہ مشکل حالات کا شکار لوگ مشکل حالات سے نکلنے کی کوشش کرتے ہیں اور زندہ رہ کر کامیاب زندگی گزارتے ہیں۔ دنیا بھر میں خودکشی کا رجحان سب سے زیادہ گرین لینڈ اس کے بعد جنوبی کوریا اور لتھوانیا میں ہے۔

بھارت 47ویں نمبر پر ہے پاکستان کا نمبر 98واں ہے۔امریکہ میں 2010ء میں اڑتیس ہزار تین سو چونسٹھ لوگوں نے خودکشی کی۔کار حادثات میں بتیس ہزار چھ سو ستاسی لوگ موت سے ہمکنار ہوئے جبکہ آتشیں اسلحہ سے مارے جانے والوں کی تعداد سولہ ہزار آٹھ سو اُنہتر تھی۔

ڈاکٹر مرکیولا ایلو پیتھک ڈاکٹر ہیں،لیکن وہ دواساز کمپنیوں کی ہیرا پھیریوں،منافع اندوزی اور دواوں کے مُضر اثرات کو ظاہر نہ کرنے کے خلاف مہم چلانے میں بہت مشہور ہیں۔اُن کا خیال ہے کہ پُر تشدد واقعات کے پیچھے صرف نفسیاتی دباو،ڈپریشن وغیرہ ہی نہیں ہیں،بلکہ ان کے علاج کے لئے استعمال ہونے والی دوائیں بھی ایک بڑی وجہ ہیں۔اکثر ڈاکٹر ڈپریشن کی معمولی سی شکایت پر یہ دوائیں استعمال کرانا شروع کر دیتے ہیں جس سے مزید پیچیدگیاں پیدا ہوتی ہیں اور ان میں سے بعض دوائیں تو ڈپریشن کی کیفیت کو بڑھا دیتی ہیں۔ڈاکٹر مرکیولا کی ویب سائٹ کے مطابق ایک تحقیق کے بعد معلوم ہوا ہے کہ نفسیاتی بیماریوں،اعصابی دباو وغیرہ کے لئے استعمال کی جانے والی اکتیس دوائیں ایسی ہیں جو تشدد کے رجحان میں اضافہ کر رہی ہیں۔ان میں ڈپریش کے لئے استعمال ہونے والی دس دواوں میں سے پانچ ایسی دوائیں ہیں جو تشدد Violence کے جذبات کو پیدا کرتی اور بڑھاتی ہیں۔ ڈاکٹر مرکیولا کے مطابق ڈپریشن کے لئے بے حد مقبول دواوں PAXIL اور PROZAC کو اڑھائی سو لوگوں پر آزمایا گیا تو ان میں تشدد کے رجحان کے واضح آثار پائے گئے۔

امریکہ میں اکثر لوگوں کو توجہ کے عدم ارتکاز (ADHD) کی شکایت رہتی ہے۔2011ء میں اس شکایت کے لئے دوائیں کھانے والوں میں تیس ہزار لوگوں کو ہسپتالوں میں ہنگامی طبی امداد حاصل کرنا پڑی تھی۔اے ڈی ایچ ڈی کی دواوں کو پچیس ہزار لوگوں پر آزمایا گیا تو ان میں سے اکتیس نے سخت تشدد اور حملہ کرنے کا ثبوت دیا جبکہ ایک نے قتل بھی کر ڈالا۔

چھوٹی عمر میں بچے عموماً تعلیم میں دلچسپی کم ہی لیتے ہیں۔بعض بچوں کا دل دوران تعلیم بھی کسی اور چیز میں اٹکا رہتا ہے۔اس عمر میں بچے بعض ٹی وی ڈراموں یا ویڈیو گیمز کو خود پر اس طرح طاری کر لیتے ہیں کہ وہ ہر وقت انہی کے بارے میں سوچتے رہتے ہیں۔ایسے بچے جب کلاس میں

اساتذہ کی بات کو دلچسپی سے نہیں سنتے اور دل جمعی سے اُس پر توجہ نہیں دیتے تو اساتذہ جھٹ سے اُن کے والدین کو بُلا کر بچے کو عدم ارتکاز توجہ کا مریض قرار دے دیتے ہیں۔ بچے کو نفسیاتی معالج کے پاس بھیجا جاتا ہے اور معالج بچے کو دوائیں شروع کرا دیتا ہے۔ سکول میں اسے الگ کلاس میں بٹھا دیا جاتا ہے۔ اس کے ہم جولی بچے الگ کلاس میں بٹھانے کے سبب اسے دماغی مریض یا پاگل سمجھنے لگتے ہیں اور بعض اوقات اسے اس حوالے سے چھیڑتے ہیں۔ بچے کی کیفیت اور بگڑ جاتی ہے اور معالج دوائیں بڑھاتا چلا جاتا ہے۔ ایسے بچے یا تو مستقل ذہنی مریض بن جاتے ہیں یا ہم جولیوں کے تنگ کرنے (Bully) سے تنگ آ کر خودکشی کر لیتے ہیں۔ امریکی سکولوں میں بچوں کا بچوں کو تنگ کرنا (Bully) بہت خطرناک معاملہ ہے اس پر گزشتہ سال ایک ڈاکومنٹری فلم بھی آئی تھی، لیکن ابھی تک اس کے تدارک کے لئے کوئی موثر کوشش نہیں ہوسکی۔ ایسے ہی بچے بعض اوقات انتقام لینے پر بھی تُل جاتے ہیں۔

عدم ارتکاز توجہ کی تشخیص اس قدر آسانی سے کر دی جاتی ہے کہ استاد کی رائے ہی اس سلسلے میں کافی سمجھی جاتی ہے، عموماً نفسیاتی معالج اس سے مختلف رائے نہیں دیتا۔ اُسے اپنی فیس اور دواؤں کی فروخت سے دوا ساز اداروں کی طرف سے ملنے والے کمیشن سے غرض ہوتی ہے۔ بچہ عدم توجہی کا مظاہرہ بھی کرتا ہے، لیکن اس کی وجوہات دوسری ہوتی ہیں اور دوائیں اس کی کیفیت میں کوئی سدھار پیدا نہیں کرتیں۔ میرے ایک دوست کے بچے کے بارے میں اس کی استانی نے یہ انکشاف کر کے انہیں پریشان کر دیا، لیکن بچے کی ماں اس بات پر ڈٹ گئی کہ بچے کی عدم توجہی اُس کے بچپن کا حصہ ہے۔ یہ کوئی بیماری نہیں اور وہ بمشکل اپنے بچے کو مریض بنانے سے بچا سکیں۔ اکثر والدین اتنا شعور بھی نہیں رکھتے، ان کے لئے اساتذہ کی بات اور نفسیاتی معالج کی تشخیص حرفِ آخر کی حیثیت رکھتی ہے۔

امریکی معاشرے میں پُرتشدد واقعات فائرنگ اور قتل محض اسلحے کی موجودگی سے ہی نہیں ہیں اس کی بہت سی دوسری وجوہات بھی ہیں اور ان وجوہات میں ذہنی بیماریوں کو بہت دخل حاصل ہے۔ خواہ یہ بیماریاں ازخود اس کی ذمہ دار ہوں یا علاج کے نام پر استعمال ہونے والی دوائیں اس کی ذمہ دار ہوں۔ ☆

صحن کعبہ کی فضاء

یہ گورے گورے یہ کالے کالے
یہ بستی بستی سے آنے والے
طوافِ کعبہ میں سب مگن ہیں
خدا کو محور بنانے والے
یہ کیف و مستی میں ڈوبے ڈوبے
ہیں عاشقوں کے چلن نرالے
کفن کی دو چادریں پہن کر
ہیں قبر کی راہ پہ جانے والے
لبوں پہ گریہ ، ہیں آنکھیں پرنم
خداکو ہیں سب منانے والے
جنوں میں مروہ صفا پہ دوڑے
اگرچہ پاؤں پڑے ہیں چھالے
یہ جام زم زم یہاں سے پی کر
ہیں حوضِ کوثر پہ جانے والے
خدا سے لطف و کرم یہ مانگیں
بنا کے سب ہاتھ کے پیالے
یہ جھوم کر چومیں حجراسود
یہ ملتزم پر فغاں و نالے
یہ آئے عصیاں تھے ساتھ لے کر
ہوئے ہیں غفران کے حوالے
زمیں پر ہے یہ گھر خدا کا

وہ جس کو چاہے یہاں بلا لے
یہیں سے ملتی ہے راہ سیدھی
ہیں بھولے بھٹکوں نے ڈیرے ڈالے
حبیبؔ کی بس یہی دعا ہے
الٰہی پھر سے ہمیں بلا لے

از......ابن انیس مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی

اقوال حضرت معروف کرخیؒ

☆جوانمرد کے لیے تین علامتیں ہیں۔وفاداری میں پوارا اترنا
کہ کبھی بے وفائی نہ کرے
اور مدح بلا امید جودو بخشش
اور عطا بلا سوال۔

☆میں نے حضرت داؤد طائیؒ جیسا مستغنی عن الدنیا نہیں دیکھا ان کی نظر میں تمام دنیا اور اہل دنیا کی کچھ حیثیت ہی نہیں۔

☆اگر تم لوگوں سے دولت میں نہیں بڑھ سکتے تو حسن خلق ہی میں بڑھ جاؤ۔

☆کسی بزرگ سے کسی قسم کا گناہ سرزد ہو جانا اس کو مباح نہیں کر دیتا۔

☆ایسی بات میں گفتگو کرنا جس میں کسی کا فائدہ نہ ضلالت وگمراہ کی علامت ہے۔

☆امیروں کی صحبت کے نقصانات احاطہ تحریر سے باہر ہیں ان سے بچو،ان سے بچو۔

☆آنکھ سب کی طرف سے بند کر لے خاص طور پر بری نگاہ سے کبھی بھی نہ دیکھو۔

☆شیطان کو سب سے پیارا بخیل مسلمان ہے اور سب سے زیادہ ناپسند سخی ہے۔

☆پوچھا گیا کہ مصائب دنیا کی دوا کیا ہے؟ فرمایا خلق سے دور اور خلق سے نزدیک رہنا۔

☆علم نر ہے اور عمل مادہ۔دین دنیا کے کام ان کے ملنے سے ہیں۔

سید الطائفہ، قطب الاقطاب

مجالس حضرت مولانا شاہ عبدالقادر رائپوری قدس سرہ

جامعہ ملیہ اسلامیہ محلّہ خالصہ کالج، رمضان المبارک ۱۳۷۶ھ، ۱۹۵۷ء

جھاڑ پھونک میں دم کرنے والے کی توجہ کا اثر ہوتا ہے

مولانا انیس الرحمٰن صاحبؒ چھوٹے بچے کو جو کہ بیمار تھا، حضرت اقدس کی خدمت میں دم کرانے کی غرض سے لے آئے ، آپ نے پھونک مارنے کے بعد فرمایا کہ اس کی والدہ کو کہو کہ کھانے میں پرہیز کیا کریں۔

پھر ہنس کر فرمایا کہ لوگ دم وغیرہ کے بڑے معتقد ہیں علاج نہیں کراوتے۔ حالانکہ ہم دم کرنے والے خود علاج کراتے ہیں۔ فرمایا دم سے کچھ فائدہ بھی ہو جاتا ہے۔ اصل میں دم کرنے والے کی توجہ اور کرانے والے کی اعتقاد سے اثر مراتب ہوتا ہے۔ جتنی دم کرنے والے کی توجہ اور کرانے والے کے اعتقاد سے اثر مرتب ہوتا ہے ۔

جتنی دم کرنے والے کی توجہ قوی اور کرانے والے کا اعتقاد مستحکم ہوگا اتنا ہی اثر جلدی اور زیادہ ہوگا۔ حضرت سے پوچھا گیا کہ کیا کلام کا اثر نہیں ہوتا۔ فرمایا کلام میں بھی اثر ہوتا ہے لیکن اس کا اثر کا ظہور بھی توجہ اور اعتقاد ہی سے ہوتا ہے۔ اسی واسطے جن کی توجہ قوی ہوتی ہے ان کا اثر جلد ہو جاتا ہے۔

حاجی عبدالرحمٰن صاحب نے حضرت شیخ فرید الدین گنج شکرؒ کا واقعہ عرض کیا کہ ایک درویش کو حضرتؒ نے کھانا دیا اس کے دل میں خیال گزرا کہ اس کے ساتھ سالن ہوتا تو شکم سیر ہو کر کھاتا۔ آپ نے فرمایا کہ لوٹا پانی کا لاؤ وہ لے آیا،

آپ نے سورہ کوثر پڑھ کر اس پر دم کیا، وہ گھی ہو گیا۔ آپ نے فرمایا اس کے ساتھ

کھاؤ۔جب وہ کھا چکا تو درویشوں نے لوٹوں میں پانی لے کر سورہ کوثر پڑھ کر دم کرنا شروع کیا لیکن وہ پانی ہی رہا۔حضرت گنج شکر کو معلوم ہوا تو فرمایا اگرچہ سورہ وہی قرآن مجید کی ہے لیکن زبان فرید کی نہیں۔حضرت اقدس نے فرمایا ٹھیک ہے۔

اس کے بعد حضرتؒ نے فرمایا کہ حضرت بابا گنج شکرؒ کے ملفوظات میں دیکھا ہے کہ آپ ایک دفعہ سیر کرتے کرتے اوچ شریف میں حضرت شیخ جلال الدین بخاریؒ بزرگ کی خدمت میں پہنچے۔

وہاں بیٹھے ہی تھے کہ چند درویش آہن پوش آئے اور انہوں نے تھوڑی دیر کے بعد کہا لسی پلائی جائے ،لیکن وہاں لسی کہاں ،حضرت بخاریؒ نے حضرت بابا گنج شکرؒ کی طرف دیکھا ،انہوں نے حضرت کی طرف دیکھا ،آخر میں حضرت بابا گنج شکرؒ نے فرمایا کہ اجازت ہو تو میں ان کو لسی پلاؤں ،

فرمایا ضرور پلاؤ ،چنانچہ حضرت بابا صاحبؒ ان درویشوں کو ساتھ لے گئے کہ آؤ تمہیں لسی پلائیں۔ایک جوہڑ پر جا کر کھڑے ہوئے ،اس پر توجہ دی تو وہ سب دہی بن گیا ،فرمایا لو یہاں سے جتنی چاہو ،پی لو۔

حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم

مجلس مبارک میں حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم پر بحث شروع ہوئی۔حضرت مولانا محمد ابراہیم صاحب میاں چنوں والےؒ ،مولانا عبدالعزیز صاحب سرگودھا والےؒ ،مولانا محمد صاحب انوری لائلپوریؒ ،مولانا عبداللہ صاحب دھرم کوٹیؒ ،مولانا عبداللہ صاحب جالندھریؒ وغیرہ علماء کرام موجود تھے ،مسند امام ابوحنیفہ مصنف ابن ابی شیبہ بیہقی مشکوٰۃ وغیرہ سے روایات پیش کی گئیں۔

منجملہ یہ روایت پڑھی گئی:

من صلی علی عند قبری سمعته و من صلی علی نائیا ابلغته

(مشکوۃ)

یعنی جس نے مجھ پر میری قبر کے پاس آ کر درود پڑھا اور اس کو میں خود سنتا ہوں اور جو مجھ پر

دوردراز سے درود پڑھتا ہے وہ مجھ کو پہنچادیا جاتا ہے۔

اسی طرح یہ روایت کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان دو اعرابیوں کو زجر فرمایا جو مسجد نبوی میں بلند آواز سے بول رہے تھے اور ان سے فرمایا:

لو کنتما من اھل المدین لا وجعتکما ترفعان اصواتکما فی المسجد النبوی

ترجمہ: اگر تم دونوں اہل مدینہ میں سے ہوتے تو میں تم کو سزا دیتا، کیا تم نبی ﷺ کی مسجد میں اونچی آواز سے بولتے ہو۔

اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے روضہ رسول ﷺ میں دفن ہونے کے بعد حجرہ شریف میں باپردہ ہو کر جانا اور اس سے قبل بے حجاب جانا اور یہ فرمانا کہ

ان ھولاء ابی و زوجی

کہ ان دونوں صاحبان میں ایک میرے باپ ہیں اور دوسرے میرے زوج ہیں (ﷺ)

اسی طرح صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا روضہ اطہر کے پاس سے گزرتے وقت السلام علیکم یا رسول اللہ بصیغہ خطاب کہنا۔ اور سید احمد رفاعیؒ کا واقعہ اور دوسرے استشہادات پیش کئے گئے۔ اسی طرح آیت **ولا تقولوا لمن یقتل فی سبیل اللہ اموات بل احیاء ولکن لا تشعرون**

(جو لوگ اللہ کی راہ میں قتل کئے گئے ہیں ان کو مردہ نہ کہو بلکہ وہ زندہ ہیں لیکن تم نہیں سمجھتے)

پیش کی گئی۔ اس آیت میں بعض علماء نے فرمایا کہ جیسا کہ شہداء کی حیات نص سے ثابت ہے اگرچہ ہم کو اس کا شعور نہیں، ایسا ہی انبیاء علیہم السلام کی حیات ان سے بھی قوی ہے بلکہ علامہ جلال الدین سیوطیؒ نے تو حضور ﷺ کے مسموم گوشت کھانے کے واقعہ سے حضور ﷺ کی شہادت بھی ثابت کی ہے۔ اس کے علاوہ اور بھی بہت سے دلائل پیش کئے ہیں۔ جن کی حضرت اقدس رضی اللہ عنہ نے تصدیق فرمائی۔

ے

ملالہ اور عبیر قاسم حمزہ الجنابی

اوریا مقبول جان

جب تک ملالہ نوبل انعام کی سیڑھیاں چڑھ رہی تھی اس ملک کے میڈیا میں ایک شور برپا تھا۔ ''ہمارا سر فخر سے بلند ہے، پاکستان کو عزت مل رہی ہے، ایک بچی جس کی جدوجہد علم کے لیے تھی، جو خواتین کے حقوق کی پاسداری کے لیے نکلی تھی اور آج پوری دنیا میں ہمارے ملک کا نام روشن کر رہی ہے۔ پوری دنیا اس کی جرأت کو سلام کر رہی ہے، اس کے مشن کو جاری رکھنے اور تعلیم کو عام کرنے کے لیے سرمایہ دے رہی ہے۔'' اس ملک کے ''عظیم'' اور ''باشعور'' دانشوروں کے یہ نعرے میرے کانوں میں گونجتے تھے اور میں سوچتا تھا کہ وہ امن کا نوبل انعام جسے یہ قوم عزت کا تاج سمجھ رہی ہے، کیسے کیسے ظالموں، قاتلوں اور انسانیت کے دشمنوں کے سر پر سجتا رہا ہے۔

ملالہ کا سب سے بڑا وکیل گورڈن براؤن وہی ہے جس نے عراق پر حملہ کرنے کے لیے برطانوی پارلیمنٹ میں نہ صرف ووٹ دیا تھا بلکہ دھواں دار تقریر بھی کی تھی۔ عراق پر وہ جنگ مسلط کی گئی جس نے لاکھوں لوگوں سے صرف تعلیم کا ہی نہیں بلکہ زندگی کا حق بھی چھین لیا۔ عورتوں کے حقوق کے عالمی چیمپئن وہ ہیں جن کے ہاتھ مظلوم عورتوں کے خون سے رنگے ہوئے ہیں اور سروں میں عورتوں کی عزتوں سے کھیلنے کی ہوس رچی ہوئی ہے۔

12 مارچ 2006 کو ملالہ کی ہم عمر چودہ سالہ عبیر قاسم حمزہ جو عراق کے چھوٹے سے قصبے المحمدیہ میں رہتی تھی، اس پر کیا بیتی؟ دل تھام کر پڑھیے: عبیر کا والد قاسم حمزہ رحیم اور ماں فخریہ طٰہٰ المحسن اپنی اسی بیٹی عبیر، 6 سالہ بیٹی حدیل، 9 سالہ احمد اور 11 سالہ محمد کے ساتھ اپنے گھر میں خوش وخرم رہ رہے تھے۔ عبیر کو اس کے والدین بہت کم گھر سے باہر جانے دیتے کہ سامنے گورڈن براؤن کے جمہوری

ووٹ سے شروع ہونے والی عراق جنگ کے سپاہیوں کی چیک پوسٹ تھی جس پر چھ سپاہی پاؤل کورٹز، جیمز بارکر، جیسی سپل مین، برائن ہارورڈ، سٹیون گرین اور انتھونی پرایب موجود تھے۔ جب کبھی یہ بچی باہر نکلتی تو وہ اسے چھیڑتے اور وہ گھبرا کر اندر بھاگ جاتی۔ ایک دن یہ ان کے گھر گھسے، تلاشی لی اور عبیر کی گال پر سٹیون گرین نے انگلی پھیری جس نے سارے گھر کو خوفزدہ کر دیا۔

جب کبھی وہ اپنے والدین کے ساتھ باہر نکلتی، وہ اس کی طرف دیکھ کر غلیظ اشارہ کرتے ہوئے ویری گڈ کہتے۔ 12 مارچ 2006 کی صبح وہ شراب پینے میں مشغول تھے کہ عبیر کے دونوں بھائی سکول کے لیے روانہ ہوئے۔ عبیر کو اس لیے سکول سے اٹھالیا گیا تھا کہ والدین ان سپاہیوں سے خوفزدہ تھے۔ تھوڑی دیر بعد وہ مکان میں داخل ہوئے انہوں نے ماں باپ اور چھوٹی بہن کو ایک کمرے میں بند کیا اور عبیر کو دوسرے کمرے میں۔

سٹیون گرین نے اس کے ماں باپ اور چھوٹی بہن کو ایک کمرے میں لے جا کر قتل کر دیا اور دوسرے کمرے میں باقی دو سپاہی اس چودہ سالہ بچی سے زیادتی کرتے رہے۔ اس کے بعد گرین کی آواز آئی، میں نے انہیں قتل کر دیا اور پھر وہ بھی عبیر پر پل پڑا۔ اس کے بعد ان سپاہیوں نے اس کے سر پر گولی مار کر قتل کر دیا۔ جاتے ہوئے ایک سپاہی نے اُسکے زیر جامے کو لائٹر سے آگ دکھائی اور کمرے میں پھینک دیا۔ گھر سے دھواں نکلا تو پڑوسی دوڑے ہوئے آئے اور انہوں نے جس حالت میں اس مظلوم چودہ سالہ بچی کو دیکھا وہ ناقابل بیان ہے۔ میں نے جب یہ واقعہ پڑھا اور چودہ سالہ عبیر قاسم حمزہ الجنابی کی تصویر دیکھی تو کئی راتیں بے چینی اور اضطراب سے سو نہ سکا تھا۔

نوبل پرائز دینے والوں اور ملالہ یوسف زئی کی وکالت کرنے والوں کے ہاتھ عبیر جیسی بے شمار معصوم لڑکیوں کے خون سے رنگے ہوئے ہیں جو ان کے خوف سے گھروں سے نہیں نکلتی تھیں۔ جنہوں نے ان کی بدمعاش اور غلیظ نظروں کے خوف سے سکول جانا چھوڑ دیا تھا۔ عبیر تو ان کے خلاف کوئی ڈائری بھی تحریر نہیں کر رہی تھی جو دنیا کا کوئی بڑا چینل نشر کرتا۔ اس نے تو انہیں ظالم،، تعلیم کے دشمن

اورانسانیت کے قاتل بھی نہیں کہا تھا۔

اس کا والد کسی این جی او کا سربراہ یا کار پرداز نہیں تھا کہ اپنی بیٹی کو ان سپاہیوں کے خلاف اکساتا، اس کی ایک فرضی نام سے ڈائری لکھنے میں مدد کرتا اور پھر دنیا بھر میں داد سمیٹتا۔ عبیر تو اس ظلم کی وجہ سے سہم سی گئی تھی۔ اس کے زندہ بچ جانے والے بھائیوں نے بتایا کہ جس دن سٹیون گرین نے اس کے گال پر انگلی پھیری، ہمارے والد نے اسی دن اسے سکول سے اٹھالیا تھا۔ وہ اس دن بہت روئی اسے گھر کے باہر لگی ہوئی سبزیوں کو پانی دینے اور دیکھ بھال کرنے کا بہت شوق تھا، لیکن اس دن کے بعد سے وہ بس کھڑکی سے انہیں دیکھتی رہتی۔

اس عالمی یا مقامی میڈیا میں کوئی ایسا شخص ہے جس کے سینے میں دل ہو، جس کے دل میں بیٹی کی محبت جاگتی ہو، جس کی آنکھ سے ظلم پر آنسو نکل آتے ہوں؟ وہ اٹھے اور کہے، آؤ ہم مل کر ایک اورامن انعام کا آغاز کرتے ہیں، ان بچوں کے لیے جو صابرہ وشطیلہ میں مارے گئے، ان مظلوموں کے لیے جو ٹینکوں تلے کچل دیے گئے، ان قیدیوں کے لیے جن پر کتے چھوڑے گئے، ان بہنوں کے لیے جو ان درندوں کے ہاتھوں اس وقت تک درندگی کا شکار ہوتے رہے جب تک ان کا سانس باقی تھا، عبیر کے لیے جس سے اس کا سکول چھوٹ گیا، جس کے لیے گھر سے نکلنا عذاب ہو گیا۔

لیکن ہم بے حس ہیں۔ نوبل انعام کی چکا چوند نے ہماری غیرت کے بچے کھچے گھروندے کو بھی ملیا میٹ کر دیا ہے۔ اٹھارہ کروڑ کی قوم نے ایک مغربی چینل کے پروگرام میں اپنی اس ہونہار بیٹی کا یہ فقرہ کیسے سن لیا کہ ہم عورتیں وہاں قیدیوں کی طرح ہیں، وہاں مارکیٹ نہیں جا سکتیں۔

کراچی سے پشاور اور گوادر سے گلگت تک کیا پاکستان یہ ہے جس کی تصویر ملالہ نے اس پروگرام میں پیش کی؟ اس نے کہا ایسے لگتا تھا جیسے ہم جیل میں ہیں۔ میں نے بلوچستان کے دوردراز گاؤں سے لے کر لاہور، کراچی، پشاور اور چھوٹے چھوٹے قصبوں تک عورتوں کو ہر موڑ اور ہر مقام پر دیکھا ہے۔ کھیتوں اور کھلیانوں میں، دفتروں اور فیکٹریوں میں، بازاروں اور ہوٹلوں میں، کیا یہ ہے

ملالہ کا قید خانہ؟ کیا یہ کالک ہے جو وہ اس قوم کے منہ پر مل کر نوبل انعام کی سیڑھی پر چڑھنا چاہتی ہے؟ اس قوم کا ہر دانشور، مفکر، اور اینکر پرسن عوام کو خوشخبری سناتا ہے، اسے پاکستان کا وقار بلند ہونے کی نوید قرار دیتا ہے۔

ملالہ نوبل امن انعام حاصل کرنے والوں کی صف میں ہی ٹھیک تھی جس میں اسرائیل کے تین قاتل وزرائے اعظم بیگن اسحٰق رابین اور شمعون پیرس بھی کھڑے ہیں۔ نوبل انعام لیتے ہوئے ان کے ہاتھ ہزاروں معصوم فلسطینیوں کے خون سے رنگے ہوئے تھے۔ اس فہرست میں ڈرون حملوں سے معصوموں کی جانیں لینے والا بارک اوباما اور مسلم امہ کا سب سے بڑا دشمن ہنری کسنجر بھی کھڑا ہے۔

یہ غیرت کے سودے ہوتے ہیں جو غیرت مند قوموں کے غیرت مند افراد کیا کرتے ہیں کہ ایسے امن انعامات پر لعنت بھیج دیتے ہیں۔

ویت نام کا لیڈر لودیوتھو (LUDUETHO) امریکہ سے امن مذاکرات کر رہا تھا۔ جب اسے ہنری کسنجر کے ساتھ امن کا انعام دیا گیا تو اس نے انکار کر دیا۔ ژاں پال سارتر کو ادب کا نوبل انعام دیا گیا تو اس نے بھی یہ کہہ کر انکار کر دیا تھا کہ مجھے اپنے نام کے ساتھ نوبل انعام یافتہ لکھ کر اپنے ساتھ گھٹیا مذاق نہیں کرنا۔

پاکستان کی ایک مسلمان بیٹی کو مغرب کے قاتل حکمران ہمارے منہ پر کالک ملنے کے لیے استعمال کرتے رہے، اس کے سر پر ایسے ہاتھ امن کا تاج پہنانا چاہتے تھے جن پر عبیر قاسم جیسی کئی مسلمان بچیوں کا خون لگا ہوا ہے۔ یہ بچیاں جنہیں ان ظالموں کے خوف سے گھروں میں قید ہونا پڑا، ان کا سکول چھوٹ گیا، وہ گھروں میں قید ہوگئیں لیکن پھر بھی وہ ان کی ہوس سے اپنی عفت بچا سکیں نہ زندگی۔

''بقا کی جنگ'' یا امن کی تلاش!

جنرل مرزا اسلم بیگ

طالبان کے ساتھ قیام امن کے مذاکرات کے خوش آئند فیصلے کے بعد آل پارٹیز کانفرنس پر ایک مخصوص لابی کی جانب سے طعن وتنقید کی بوچھاڑ کا سلسلہ جاری ہے۔ اس پس منظر میں جناب نجم سیٹھی صاحب کا 6 اکتوبر کو روزنامہ جنگ میں شائع ہونے والا مضمون بعنوان: ''بقا کی جنگ یا تباہ کن امن''، خصوصی توجہ کا حامل ہے، جس میں وہ لکھتے ہیں کہ:

''فاٹا میں بھرپور جنگ ہی پاکستان کا واحد دفاع ہے۔ ہماری سیاسی قیادت جتنی جلد اس حقیقت کو پالے گی، اتنا ہی بہتر ہے۔ اس وقت امن ہمیں تباہ کر دے گا، جبکہ فیصلہ کن جنگ ہماری بقا کی ضمانت دے گی''۔

ایسا ظاہر ہوتا ہے کہ ہم نے ماضی میں ''اپنی بقا کی خاطر لڑی جانے والی جنگوں'' سے کوئی سبق نہیں سیکھا۔ مشرقی پاکستان میں ہم نے سیاسی معاملات کو سلجھانے کے لئے فوج استعمال کی جس نے چھ ماہ سے کم مدت میں پورے ملک میں حکومت کی رٹ قائم کر دی۔

ہمارے جنرل آفیسر کمانڈنگ نے جنرل نیازی کو تجویز دی کہ ''اب مناسب وقت ہے کہ سول انتظامیہ کو بحال کر کے سیاسی عمل شروع کیا جائے''۔ یہ مشورہ جنرل نیازی کو ناگوار گزرا اور انہوں نے متعلقہ جنرل آفیسر کمانڈنگ کو کمان سے ہٹا دیا اور ہم اپنی بقا کی جنگ لڑتے رہے، جس کے نتیجے میں ایک عظیم سانحہ سے دوچار ہوئے اور بھارتی سازشوں کے سبب ملک دولخت ہو گیا۔

1974ء میں ذوالفقار علی بھٹو نے بلوچستان میں بدامنی پر قابو پانے کے لئے بقا کی جنگ شروع کی۔ 1975ء کے اوائل تک فوج نے حالات پر قابو پا کر امن وامان بحال کر دیا۔ اس موقع پر

وزیراعظم میرے بریگیڈ کے دورے پر تشریف لائے اور انہوں نے بگٹی قبیلے کے ایک بڑے اجتماع سے خطاب بھی کیا، جنہوں نے ذوالفقار علی بھٹو کو بہت پذیرائی بخشی۔ انہیں واپس ہیلی پیڈ تک چھوڑنے کے لئے جاتے ہوئے میں نے ان سے وہی سوال کیا جو میرے جنرل آفیسر کمانڈنگ نے جنرل نیازی سے کیا تھا کہ ''جناب وزیراعظم! اب سول نظام کی بحالی اور سیاسی عمل شروع کرنے کا بہت موزوں وقت ہے''۔ اس پر انہوں نے کہا: ''ہاں! آپ ٹھیک کہتے ہیں۔

بہت جلد آپ کو اس کے احکامات مل جائیں گے''......لیکن ایسے احکامات ہمیں نہ مل سکے اور 1977ء کے دوران پیش آنے والے حالات نے انہیں موقع بھی نہ دیا۔

2008ء میں آصف علی زرداری نے بھی سوات، دیر، باجوڑ، فاٹا اور بلوچستان میں ''بقا کی جنگ'' کا فیصلہ کیا اور بدنظمی پر قابو پانے کی ذمہ داری فوج کو سونپی۔ فوج نے 2009ء کے آخر تک حالات پر قابو پا کر حکومتی عملداری بحال کر دکھائی۔

اب جبکہ 2013ء بھی ختم ہونے کو ہے، اس دوران منتخب حکومتیں برسر اقتدار رہ چکی ہیں، لیکن ان علاقوں میں سول انتظامیہ کی بحالی یقینی بنانے اور سیاسی عمل شروع کرنے کے اقدامات کرنے میں ناکام رہی ہیں۔ یہ علاقے ملک کے مجموعی رقبے کے تقریباً 40 فیصد پر مشتمل ہیں اور ابھی تک فوج کے کنٹرول میں ہیں۔ اس طویل عرصے میں ان علاقوں سے فوج کو نکالنے کے لئے صرف خیبر پختونخوا کے موجودہ وزیراعلیٰ ہی کی جانب سے ایک کمزور آواز اٹھائی گئی، لیکن عملاً ہوا کچھ نہیں۔ حکومتوں کی ان بدانتظامیوں اور ناکامیوں پر فوج کو موردالزام ٹھہرانا اور مزید قربانیوں کا تقاضا کرنا کہاں کا انصاف ہے، جبکہ حکومتی اہلکار ہر طرح کی سہولتوں و مراعات سے مستفید ہونے کے ساتھ ساتھ ہر قسم کی لوٹ مار کسی کے سامنے جواب دہ بھی نہیں ہیں۔ یہ علاقے بدستور فوج کے کنٹرول میں ہیں اور یہاں سول انتظامیہ بحال نہ کئے جانے کی وجہ سے بدانتظامی بڑھتی جا رہی ہے، کیونکہ قانون کی عملداری قائم کرنے کے لئے فوج سول نظام کا نعم البدل نہیں ہو سکتی۔

حیرانی اس بات پر ہے کہ نجم سیٹھی صاحب کو 25 ملین پاکستانی اور 17 ملین افغان پختونوں پر مشتمل افغانستان میں اسلامی جمہوری نظام کے قیام سے کس بات کا خوف ہے، جو وہاں سے غیر ملکی قابض فوجوں کے انخلاء کے بعد قائم ہوگا، جبکہ ایسا ہونا فطرت کے عین مطابق ہوگا، جو نسلی اور تناسب آبادی کی منطق کی روشنی میں قابل عمل ہے، یعنی 25 ملین پاکستانی پختونوں کو 17 ملین افغان پختونوں پر اکثریت کی انضباطی کشش حاصل ہوگی، جس سے ڈیورنڈ لائن کی سرحدوں کی فعالیت بھی متاثر ہوگی۔ تاریخ شاہد ہے کہ افغان شہنشاہوں کو افغانستان پر تسلط برقرار رکھنے کے لئے ہمیشہ پاکستانی قبائل کی حمایت کی ضرورت رہی ہے اور یہی بات آج بھی سچ ثابت ہورہی ہے، جبکہ شہنشاہیت کی جگہ عوامی نمائندے لے چکے ہیں۔

میں نجم سیٹھی صاحب کی باتوں پر سخت حیران ہوں، کیونکہ انہیں کافی عرصے سے جانتا ہوں۔ انہوں نے 1963ء میں پاکستانی شہریت اختیار کی اور اپنے انقلابی خیالات کی وجہ سے جلد ہی ایک منجھے ہوئے جرنلسٹ اور کالم نگار کی حیثیت حاصل کر لی۔ مجھے نہیں معلوم کہ اس کے بعد ان کے اور میاں نواز شریف کے مابین کیا تلخی ہوئی کہ 8 مئی 1998ء کو انہیں حسین حقانی کے ہمراہ وطن دشمن سرگرمیوں کے جرم میں گرفتار کر لیا گیا تھا، جس پر امریکی سینٹ اور بھارتی کانگریس کی جانب سے سخت احتجاج ہوا اور آخر کار نواز شریف انہیں چند ہی روز بعد رہا کرنے پر مجبور ہو گئے۔ حسین حقانی کی ساکھ سے تو میموگیٹ سکینڈل نے پردہ ہٹا دیا ہے، جس کی وجہ سے وہ بیرون ملک پناہ لینے پر مجبور ہیں، لیکن نجم سیٹھی نواز شریف کا اعتماد حاصل کرنے میں کامیاب رہے ہیں اور انہی کی نظر کرم سے پہلے پنجاب کے نگران وزیر اعلیٰ اور اب پاکستان کرکٹ بورڈ کے چیئر مین کے عہدے پر فائز ہیں، لیکن میاں نواز شریف کی زیر صدارت آل پارٹیز کانفرنس میں پاکستانی طالبان کے ساتھ قیام امن کے مذاکرات کے فیصلے پر اچانک ان کی سخت مخالفت بڑی معنی خیز ہے۔

یہ ہماری قومی روایت ہے کہ جب بھی کسی خاندان کا کوئی فرد کسی وجہ سے خاندانی اقتدار سے

بغاوت کا مرتکب ہوتا ہے تو خاندان کے بزرگ سر جوڑ کر بیٹھتے ہیں اور اس کے بازو اور ٹانگیں توڑنے یا مار پیٹ کا راستہ اختیار کرنے کی بجائے پیار و محبت سے اسے راہ راست پر لانے کی کوشش کرتے ہیں۔ ہمارے آل پارٹیز کانفرنس کے سیاسی اکابرین نے بھی ہمارے ناراض طالبان کو معاشرے کے قومی دھارے میں واپس لانے کے لئے یہی راستہ اختیار کیا ہے جو درست ہے، قابل عمل ہے اور قومی سلامتی کی ضمانت بھی ہے۔ درحقیقت نجم سیٹھی پاکستان کو دو محاذوں پر جنگ کی بھٹی میں جھونکے رکھنے کے امریکی اور بھارتی ایجنڈے پر عمل پیرا ہیں، جو قائداعظم کے اس نظریے کے سراسر خلاف ہے کہ:

''ہماری جنوب مغربی سرحدوں کی حفاظت کی ذمہ داری ان علاقوں کے قبائل پر ہے''......

اور قبائل نے 2005ء تک یہ ذمہ داری بطریق احسن نبھائی، لیکن اس کے بعد بیرونی قوتوں کے اشاروں پر ان کے خلاف لشکر کشی کی گئی، جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ آج ہماری یہی سرحدیں ہمارے دشمنوں کی سازشی کارروائیوں اور سرحد پار سے دہشت گردی کے واقعات کی آماج گاہ بن چکی ہیں۔ ان تمام برائیوں کی جڑ افغانستان پر بیرونی طاقتوں کا قبضہ ہے، جو بُری طرح شکست کھا کر اب پسپائی اختیار کر چکا ہے۔ اب انشاء اللہ جلد ہی افغانستان میں قیام امن کا خواب شرمندہ تعبیر ہوگا، جس سے ہمارے سیاسی قائدین کی امن وامان کی خاطر جاری کوششوں کو تقویت ملے گی۔

تلاش امن کی کوششوں کو روکنا اب ناممکن ہو چکا ہے، کیونکہ قائداعظم نے تحریک پاکستان کے مخالف' وائسرائے ہند کو جواب دیتے ہوئے کہا تھا کہ'' جو ہونا ہے، وہ ہو کر رہے گا''......(What has to be, has to be)......

قوم نے ماضی میں کئے جانے والے اپنے عظیم قائد کے اسی فیصلے کو مشعل راہ بنا کر پاکستان حاصل کیا اور اب ہماری سیاسی قیادت نے اپنے ناراض بھائیوں کے ساتھ مذاکرات کر کے امن کے قیام کو یقینی بنانے کی راہ اختیار کی ہے، جو پاکستان کے لئے ایک پُرامن اور روشن مستقبل کی ضمانت ہے۔



خواتین کے صفحات

خادمۃ القرآن

روزی میں برکت کے لیے حضرت آدمؑ کی دعا بہت نفع بخش ہے

حضرت سلیمان بن بریدہؓ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ فرمایا: حضرت آدمؑ نے زمین پر آنے کے بعد بیت اللہ کا طواف کیا پھر دروازہ کے سامنے دو رکعت نماز پڑھی، پھر ملتزم پر تشریف لائے اور یہ دعا پڑھی:

اللھم انك تعلم سریرتی وعلانیتی فاقبل معذرتی وتعلم مافی نفسی فاغفرلی ذنوبی وتعلم حاجتی فاعطنی سوالی، اللھم انی اسئلك ایماناً یباسر قلبی ویقینا صادقاً حتیٰ اعلم انه لا یصیبنی الاما کتبت لی والرضآء بما قضیت علی .

تو حضرت آدمؑ پر وحی آئی کہ تم نے ایسی دعا کی جو قبول کی گئی تمہاری اولاد میں سے جو بھی دعا کریگا اس کے غم وفکر کو دور کر دوں گا اور اس کی روزی کو کافی کر دوں گا، اور اس کی روزی کو کافی کر دوں گا، اس کے دل سے فقر کو دور کر دوں گا، اور اس کو غنی کر دوں گا، اس کی طرف بابِ رزق کو متوجہ کر دوں گا، اس کی طرف دنیا ذلیل ہو کر آئے گی اگرچہ وہ دنیا کو چاہے گا۔[مناسک، جلد۲، صفحہ ۷۱۔ الدعا المسنون، صفحہ ۴۴۱]

واہ رے واہ اللہ! سبحان تیری قدرت

بلی کی تربیت کا عجیب انداز

بلی حاملہ ہوتی ہے تو وہ کونہ تلاش کرنے لگتی ہے، بچہ دینے کے لیے، اس کو اس کی ماں نے نہیں سکھایا تھا کہ تجھے بچہ دینا ہے، کسی کونے میں چھپنے کی جگہ دیکھنی ہے، کسی ٹریننگ سینٹر سے نہیں سیکھا، کسی نرسنگ ہاؤس ٹریننگ نہیں لی، اس کو من جانب اللہ الہام ہے کہ میں ایک ایسی جگہ بچے دے دوں کو وہ ضائع نہ ہو جائے۔

اس کا کوئی ٹیچر یا استاد نہیں، اللہ کا نظام ہے، اس کو بھی ہدایت دیتا چلا، بلی کسی کونہ میں جا کر بچہ دیتی ہے

تو بچہ کو نہیں پتہ کہ میری کی چھاتی کہاں ہے اور اس میں میری غذا ہے اس کو ماں نے نہیں بتایا۔

ماں تو خود اپنے بچے کو سینے سے لگاتی اور اس کے منہ میں چھاتی دیتی ہے وہ چوستا ہے، بلی تو ایسا نہیں کرتی، اس کے بچے کی آنکھیں بند ہوتی ہیں، اس کی تقدیر اور اللہ کی ربوبیت اس کو اس طرح لے جا رہی ہے، اس کو چوسنے کا طریقہ بتا رہی ہے۔

ہم تو بچے کے منہ میں چوسنی دے دیتے ہیں تو اس کو چوسنے کا طریقہ آجاتا ہے اور اس کی مختلف طریقوں سے تربیت کرتے ہیں تو وہ سیکھتا ہے، بلی کو بچہ ہے جس نے کبھی دیکھا نہیں، سنا نہیں، وہ خود بخود چھاتی کی طرف لپکتا ہے اور دودھ پیتا ہے، یہ سارے کا سارا نظام اللہ تعالیٰ غیب کے پردوں میں چلاتا رہا ہے۔

ایک مادہ ہے، وہ انڈے دیتی ہے، انڈے دینے کے بعد وہ کیڑے کو ڈنگ مارتی ہے، ایسے ڈنگ مارتی ہے کہ وہ مرے نہیں، بے ہوش ہو جائے، مر جائے تو گل جائے گا، سڑ جائے گا، اتنا ڈنک مارتی ہے کہ بے ہوش ہو جائے، مرے نہیں۔

وہ ان کیڑوں کو اپنے انڈوں کے پاس رکھ لیتی ہے اور ان کی بے ہوشی اتنی ہوتی ہے کہ جب تک وہ انڈے کے اندر سے نکلتا ہے تو پہلے سے اس کے لیے گوشت کا انتظام کیا جا چکا ہوتا ہے۔

ماں چلی جاتی ہے، انڈے سے نکلنے والا بچہ جب دیکھتا ہے کہ میرے لیے کھانا تیار ہے تو پھر اس کو کھاتا ہے، پروان چڑھتا ہے، پھر اس کے پر لگتے ہیں یہ بچہ جب بڑا ہو کر انڈے دینے پر آتا ہے تو اسی کام کو کرتا ہے، جو اس کی ماں نے کیا تھا، نہ وہ اپنی ماں کو دیکھتا ہے نہ اپنی ماں سے سنتا ہے، نہ اپنی ماں سے سیکھتا ہے۔

بچوں پر خرچ کرنے کی فضیلت

حضرت ام سلمہؓ فرماتی ہیں میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! اگر میں ابو سلمہؓ کی اولاد پر مال خرچ کروں حالانکہ وہ میری بھی اولاد ہیں تو مجھے ثواب ملے گا؟'' حضورؐ نے فرمایا: ''ان پر خرچ کر، تو ان پر جو خرچ کرے گی تجھے اس کا ثواب ملے گا۔''

حافظ ابن حجر ''فتح الباری'' میں فرماتے ہیں کہ حضرت ام سلمہؓ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے حضرت ابو سلمہؓ کی بیوی تھیں اور حضرت ابو سلمہ سے ان کی اولاد بھی ہوئی جن کے نام یہ ہیں: عمرؓ، محمدؓ

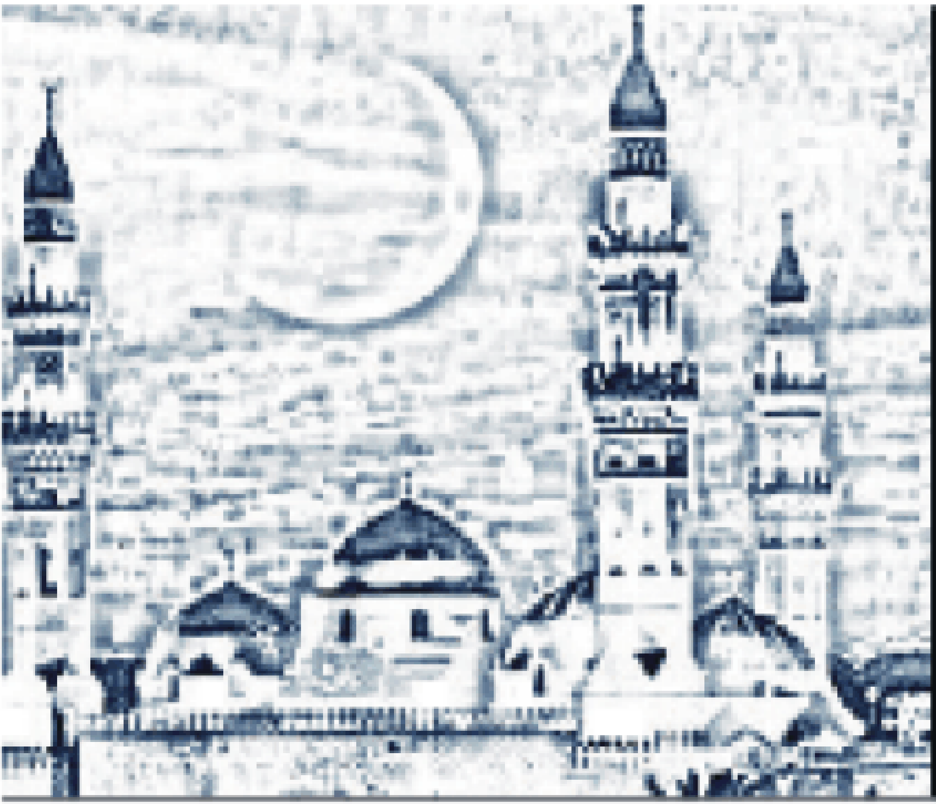
زینب اور درّہ۔ حدیث میں اس بات کی تصریح موجود نہیں کہ جو مال حضرت ام سلمہ بچوں پر خرچ کر رہی تھیں وہ زکوٰۃ کا تھا لہٰذا یتیموں پر خرچ کرنے کا حصول حدیث کی قدر مشترک ہے۔''

حضرت اسماء بنت ابی بکرؓ فرماتی ہیں: ''میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! میرے گھر میں میری ملکیت میں وہی چیز ہے جو حضرت زبیرؓ نے عطا کی ہے کیا میں اس میں سے کرچ کرسکتی ہوں؟ حضور ﷺ نے فرمایا: ہاں تو رزق کو خیرات کرنے سے نہ روک ورنہ تیرا رزق بھی روکا جائے گا اور ایک جگہ فرمایا: تو گن گن کر نہ دے ورنہ تجھے اجر وثواب بھی گن گن کر دیا جائے گا۔''

حافظ ابن حجرؒ ''فتح الباری'' میں فرماتے ہیں:

''مذکورہ حدیث میں صدقہ کرنے میں کمی کے خوف سے منع کیا گیا ہے کیونکہ یہ برکت کو ختم کرنے کا اہم ترین ذریعہ ہے' اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے صدقہ کرنے پر بغیر حساب کتاب ثواب دیتے ہیں اور جس چیز کے ساتھ جزا و بدلہ کے وقت حساب نہیں کیا جاتا تو عطا کے وقت بھی حساب نہیں کرنا چاہیے اور جو شخص اس بات کی چاہت رکھتا ہو کہ اللہ تعالیٰ اسے وہاں سے عطا کریں جہاں اس کا گمان بھی نہ ہوگا تو اس کو چاہیے کہ خرچ کرے اور حساب نہ کرے۔ بعض علماء نے کہا ہے کہ حدیث میں جس چیز کی نہی وارد ہوئی ہے وہ مال کا جمع کر کے روک لینا اور اسے خرچ نہ کرنا ہے ایسا کرنے سے اللہ تعالیٰ برکت ختم کر دیتے ہیں' رزق کے فائدوں کو روک لیتے ہیں یا آخرت میں اس کا محاسبہ کرتے ہیں۔

حضرت ابوامامہ باہلیؓ فرماتے: ''ہم ایک دن مہاجرین وانصار کی ایک جماعت کے ساتھ تھے' ہم نے ایک آدمی کو حضرت عائشہؓ کے پاس بھیجا تاکہ ان سے ملاقات کی اجازت حاصل کرے۔ (انہوں نے اجازت دی) لہٰذا ہم ان کی خدمت میں حاضر ہوئے' انہوں نے فرمایا: ''ایک مرتبہ کوئی مانگنے والا میرے پاس آیا اس حال میں کہ حضور ﷺ میرے پاس تشریف فرما تھے' میں نے اس کو کوئی چیز دینے کا حکم دیا پھر اسے بلایا اور اس چیز کو دیکھا (میرے اس عمل کو دیکھ کر) حضور ﷺ نے فرمایا: ''اے عائشہ! کیا تو چاہتی ہے کہ تجھے ہر اس چیز کا علم ہو تو جو تیرے گھر میں داخل ہو یا باہر جائے۔'' میں نے عرض کیا: ''جی ہاں'' حضورؐ نے فرمایا: اے عائشہ! ایسا نہ کر' اگر تو حساب کر کے خرچ کرے گی تو اللہ تعالیٰ بھی گن گن کر بدلہ دے گا۔



بچوں کے صفحات

سخاوت

حضرت سعدیؒ یہ فرماتے ہیں کہ میرے چند دوست ایسے تھے جن کا ظاہر اور باطن ایک تھا۔ان میں ذرا بھی تصنع نہ تھا۔ چناچہ ان کی اس خوبی کی وجہ سے ایک نیک دل رئیس شہر نے ان کا وظیفہ مقرر کر دیا۔ اور وہ عزت و آرام کی زندگی گزارنے لگے۔

کچھ عرصہ بعد قسمت کی خرابی سے ان میں سے ایک کوئی ایسی حرکت کر بیٹھا کہ رئیس شہر نے ان سے بدگمان ہوکر ان سب کے وظیفے بند کر دیئے۔

مجھے یہ خبر ملی تو میں نے یہ محسوس کیا کہ رئیس شہر کی خدمت میں حاضر ہوکر اپنے دوستوں کی صفائی پیش کرتے ہوئے ان کی بدگمانی کو دور کروں۔اور میں نے ایسا ہی کیا اور رئیس شہر کے در دولت پر پہنچ گیا۔ لیکن دربان نے اندر نہ جانے دیا۔اور یہ کوئی خلاف معمول بات نہ تھی۔ بندے کی ظاہری ٹیپ ٹاپ اچھی نہ ہو تو اکثر ایسا ہی ہوتا ہے۔

بے وسیلے نہ جھانکنا ہرگز
در میرے ووزیر سلطاں کو
سگ ودرباں غریب دیکھیں اگر
کھینچے ایک جیب ایک داماں کو

اسی اثناء میں میرے جاننے والے ایک صاحب آگئے جو رئیس شہر کے مقرب بھی تھے۔ بڑی عزت واحترام سے مجھے ساتھ لے گئے رئیس شہر نے دیکھا تو بڑی خوشی کا اظہار کیا۔عزت کی جگہ بیٹھنے کو دی۔ میں شکریہ ادا کرتے ہوئے معمولی آدمیوں کی صف میں بیٹھ گیا۔کہا:

بندہ ادنیٰ ہوں اے صاحب مرے
امر ہوں تو بیٹھوں بندوں میں ترے

القصہ بیٹھ کر ہر مجلس و مقام سے مذکور کرنے لگا۔ یہاں تک کہ یاروں کی ذلت کی باتیں بھی درمیان میں آئیں تو میں نے کہا:

گناہ کونسا دیکھا ہے اس منعم نے
کہ اپنے بندے کو نظروں میں خوار رکھتا ہے
بزرگواری والطاف ہے خدا کو فقط
جو رزق عاصیوں کا برقرار رکھتا ہے

رئیس شہر نے جو یہ باتیں سنیں تو نہایت پسند کیں۔ اور میرے دوستوں کا وظیفہ پھر سے جاری کر دیا۔ بلکہ پچھلے دنوں کا وظیفہ ان کو نہیں ملا تھا وہ بھی ادا کرنے کا حکم دیا۔ میں نے اس کا شکریہ ادا کیا۔ اپنی گستاخی و جسارت کی معذرت کی اور رخصت کی اجازت چاہتے ہوئے کہا:

جو کعبہ قلبہ حاجت ہوا تو دور سے لوگ
طواف کرنے کو جاتے ہیں مجتمع ہوکر
تمہیں تحمل اہل غرض مناسب ہے
کہ مارتا نہیں کوئی سنگ نخل بے ثمر پر

تلقین:۔

حضرت سعدیؒ نے اس حکایت میں صاحب ثروت لوگوں کی توجہ اس طرف مبذول کرائی ہے کہ ان حاجت مندوں کی امداد فرض ہے۔ سنت رسول اللہ ﷺ ان کے پیش نظر رہنی چاہیے کہ اللہ تعالیٰ اپنے نافرمانوں اور گناہگاروں کی بھی روزی بند نہیں کرتا۔

سخی شہزادہ

ایک شہزادے نے ایک بہت بڑا خزانہ باپ کے ورثہ میں پایا۔ وہ دریا دل تھا خزانے کہ دروازے لوگوں پر کھول دیئے۔ سخاوت کی حد کر دی۔ ہر حاجت مند کی جھولی دولت سے بھر دی۔

نئے بادشاہ کا یہ رویہ دیکھ کر ایک روز وزیر نے موقع محل دیکھتے ہوئے عرض کیا کہ اگر اعلیٰ حضرت نے خزانے کا دروازہ اسی طرح کھلا رکھا تو وہ دولت جو ورثہ چھوڑنے والے بادشاہ نے پیچھے چھوڑی دنوں میں ختم ہو جائیگی۔ اگر اعلیٰ حضرت اپنا سارا خزانہ تقسیم کر دیں تو رعایا کے حصے رائی کے ایک ایک دانے

کے برابر آئیگا۔لیکن اگر رعایا سے رائی کے ایک دانے کے برابر آئیگا۔لیکن اگر رعایا سے رائی کے ایک دانے کے برابر بھی سونا لیا جائے تو خزانے میں سونے کا ایک پہاڑ بن جائیگا۔

بظاہر یہ بات بڑی خیر خواہی کی تھی لیکن شہزادے کو بالکل پسند نہ آئی۔اس نے کہا:

''خدا نے مجھے بہت بڑی سلطنت کا تاجدار بنایا ہے اس نے مجھے کھلے دل سے دولت دی ہے میں کیوں تنگ دل بنوں۔خدا نے مجھے حاجت روا بنایا ہے میں کیوں نہ حاجت روائی کروں۔بادشاہ کا فرض رعایا کو خوشحال کرنا ہے میں کیوں اپنی رعایا کو بے حال کروں۔یہ خزانہ چند دن کے لیے مجھے سونپی گئی امانت ہے۔اس پر سانپ بن کر بیٹھ جانا کیا اچھا ہے؟ حاتم طائی نہیں رہا لیکن سخاوت کی وجہ سے اس کا نام باقی رہ گیا ہے۔قارون اتنے سارے خزانوں کا وارث ہوتے ہوئے پھوٹی کوڑی بھی اپنے ساتھ نہ لے جاسکا۔مر گیا مردود نہ فاتحہ درود۔ڈبے میں بند رکھنے سے نہیں جلانے سے عود کی خوشبو پھیلتی ہے۔

ملتی ہے بزرگی تو فقط جود و سخا سے
دانہ ہو اگر کاشت تو کھلیان سجائے

برائی کی روک تھام

مشہور بادشاہ نوشیرواں عادل شکارگاہ میں تھا۔شکار کیے ہوئے گوشت سے کباب تیار کیے جا رہے تھے۔اتفاق سے نمک ختم ہو گیا۔شاہی باورچی نے ایک غلام سے کہا کہ وہ بستی میں جائے اور وہاں سے نمک لے آئے۔بادشاہ نے یہ بات سن لی۔اس نے غلام کو تاکیداً کہا:

''نمک قیمت ادا کیے بغیر ہرگز نہ لانا''۔

غلام نے زمین ادب چومتے ہوئے عرض کیا۔

''عالم پناہ! چٹکی بھر نمک کی کوئی بات نہیں۔کسی سے مفت لے لوں گا تو کیا فرق پڑیگا''؟

نوشیرواں عادل نے کہا:

''بہت بڑا فرق پڑیگا۔ابتداء میں ہر برائی معمولی دکھائی دیتی ہے اور پھر بڑھتے بڑھتے اتنی بڑی ہو جاتی ہے کہ اسے مٹانا مشکل ہو جاتا ہے''۔

جو شاہ باغ رعیت سے کھائے ایک بھی سیب
غلام اس کے اکھاڑیں درخت میوہ دار

ماہنامہ **مِلّیہ** فیصل آباد پاکستان

بفیض

قطب الاقطاب حضرت مولانا شاہ **عبدالقادر** رائپوری رحمۃ اللہ علیہ	شیخ الحدیث حضرت مولانا **زکریا** صاحب مہاجر مدنی رحمۃ اللہ علیہ	رئیس الاحرار حضرت مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ
امیر ثانی تبلیغ حضرت مولانا **محمد یوسف** صاحب کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ	حضرت مولانا انیس الرحمٰن لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ بانی جامعہ	پیر طریقت حضرت **سید نفیس الحسینی** رحمۃ اللہ علیہ

- عصر حاضر کے تقاضوں کو مدنظر رکھتے ہوئے ۔

اس میں وہ سب کچھ جس سے ہر ایک مسلمان کا باخبر رہنا ضروری ہے۔

- بے لاگ تبصروں اور تحقیقاتی تجزیوں سے بھرپور
- نقطہ نظر کا کالم ہر لکھنے والے کے لئے
- آپ کے مسائل اور انکا حل
- طلباء، خواتین اور بچوں کے خصوصی صفحات
- حصہ شعر وسخن۔ جس میں حمد ونعت، نظم اور غزل۔
- تذکرہ اکابر سے مزین تحقیقی مقالہ جات
- خود بھی پڑھیں اور دوسروں کو بھی پڑھنے کی دعوت دے کر اس صدقۂ جاریہ میں شریک کریں۔

رابطہ کیلئے
ماہنامہ مِلّیہ جامعہ مِلّیہ اسلامیہ
محلّہ خالصہ کالج فیصل آباد
فون 041-8711569

www.milliafsd.com

MONTHLY MAGAZINE

Millia

JAMIA MILLIA ISLAMIA

FAISALABAD PAKISTAN

Reg:M # FD-16

MOHALLAH KHALSA COLLEGE FAISALABAD Ph:041-8711569

E-mail: milliafsd@yahoo.com Fax # 041-8502213